خارجی اسماعیل دہلوی قرن الشیطان فی الھند کی تخریب کاریاں

قرن الشیطان فی الھند

بانیٔ وھابیت (دیوبندی، اہل حدیث، قادیانی، مودودی، چکڑالوی، اصلاحی، سلفی)

از علامہ عبدالحکیم اختر خاں شاہجہانپوری علیہ الرحمہ

خارجی اسمٰعیلی

یہی خارجی تحریک نجد سے چل کر متحدہ ہندوستان میں وارد ہوئی۔ کسے خبر تھی کہ دہلی کا جو خاندان دینِ برحق کی خدمت میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہا ہے، اسلام میں تخریب اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کا مشغلہ بھی اُسی خاندان کا ایک فرد اختیار کرے گا اور پاک و ہند میں تخریب کاری کا ایسا پودا لگا جائے گا جس کی شاخیں پُورے ملک میں پھیل جائیں گی اور بھولے بھالے مسلمان ایسے چکّر میں پھنس کر رہ جائیں گے کہ اصل اور نقل میں تمیز کرنا بھی مشکل ہو کر رہ جائے گا۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے مسلک کو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی وہابیت و خارجیت سے کوئی مماثلت ہے یا نہیں؛ مرزا حیرت دہلوی اِس سلسلے میں یُوں وضاحت کرتے ہیں:

"وہ پیارا شہید (محمد اسمٰعیل دہلوی) تھا جس نے ہندوستان میں (ابن) عبدالوہاب کی طرح شریعتِ محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا۔"[1]

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے نجدی اور ہندی وہابیت کے تعلق پر یُوں اظہارِ خیال فرمایا ہے:

"ہندوستان میں ابن عبدالوہاب کے عقاید کی اشاعت بعض حضرات کے ذریعے سے ہوئی، اِس سلسلے میں مولانا اسمٰعیل دہلوی (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور مولانا سیّد احمد بریلوی (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے اہم کردار ادا کیا۔ مولانا سیّد احمد بریلوی نے تحریکِ وہابیت کے قریبی زمانے (۱۲۳۶ھ/۱۲۳۹ھ) میں سفرِ حجاز بھی کیا تھا، اِس لیے ظاہر ہے کہ وُہ کیا کچھ خیالات وجذبات لے کر آئے ہوں گے۔"[2]

---

[1] حیرت دہلوی مرزا: حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۲۴۶

[2] محمد مسعود احمد، پروفیسر: مواعظ مظہری، ص ۸۲

کچھ آگے چل کر موصوف نے اسی تعلق کی یُوں وضاحت فرمائی ہے:

"ابن عبدالوہاب کی تحریک اور اِن دونوں حضرات کی سیاسی اور مذہبی کوششوں میں کئی مناسبتیں نظر آتی ہیں۔ ابن عبدالوہاب پر یہ الزام تھا کہ وہ بلاوجہ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرتے ہیں اور اُن کے مال و متاع کو اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں۔ اِس قسم کے واقعات مولوی سید احمد اور مولانا اسمٰعیل کی زندگی میں بھی نظر آئیں گے۔" [1]

ڈاکٹر صاحب نے آگے چند واقعات اِن حضرات کی مسلم کشی کے پیش کیے ہیں لیکن اِس موضوع پر ہم نے آگے تفصیلی بحث کرنی ہے لہٰذا اُنھیں یہاں پیش نہیں کرتے۔ اِس کے بعد موصوف نے دونوں تحریکوں کے عقائد کے بارے میں یُوں لکھا ہے:

"جہاں تک اِن حضرات (سید احمد و اسمٰعیل دہلوی صاحبان) کے معتقدات کا تعلق ہے وہ سختی و درشتی میں ابن عبدالوہاب سے کسی طرح کم نہیں۔" [2]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے جب اپنے اکابر کے مسلک اور مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت سے بغاوت کی تو اپنا علیحدہ جتھا بنانے میں مصروف ہو گئے اور اُس کا نام "محمدی گروہ" رکھا گیا۔ چنانچہ اِس سلسلے میں مشہور وہابی مورّخ اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے سوانح نگار، مرزا حیرت دہلوی یُوں لکھتے ہیں:

"پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں۔ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں کہ اِس ضلع میں اِتنے محمدی آباد ہیں اور اُس ضلع میں اِتنی تعداد اِسلامیوں کی ہے۔" [3]

یہی نہیں بلکہ مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی کے پیر یعنی سید احمد صاحب (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا تو مسلمانوں کے جملہ روحانی سلسلوں سے منقطع

---

[1] محمد مسعود احمد، پروفیسر: مواعظ مظہری، ص ۸۲

[2] ایضاً: ص ۸۳

[3] حیرت دہلوی مرزا: حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۳۸

ہوکر اپنا سلسلہ نیا "محمدی طریقہ" گھڑ لیا۔ اُس کے قواعد اور آداب و اشغال بھی ایسے وضع کیے کہ طریقت کا ایک ابجد خوان بھی اِس بازیگری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "طریقہ محمدی" کے بارے میں پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر قیام الدین احمد لکھتے ہیں:

"اُس زمانہ میں تصوف کے چار متعارف و مستقل طریقے رائج تھے، چشتیہ، سُہروردیہ اور نقشبندیہ۔[1] سیّد احمد بریلوی بیعت لینے کی ایک جدید ترکیب پر کاربند تھے۔ پہلے مذکورہ طریقوں پر، پھر محمدی طریقے پر، جو اُنھوں نے خود مقرر کیا تھا، بیعت لیا کرتے تھے۔ وُہ اِس کی تشریح یُوں کیا کرتے کہ شریعت کے دُو پہلو ہیں: ظاہری اور باطنی۔ باطنی پہلو روحانی راحت کے حصول کیلئے روح کی تربیت و تادیب سے تعلق رکھتا ہے اور مذکورہ صوفی طریقے ہی اِس مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ظاہری پہلو انسان کی روزمرہ زندگی میں صحیح اور دینی کردار بجا لانا، اور محمدی طریقہ اِسی کی نگہداشت کرتا ہے۔"[2]

"طریقہء محمدی" کی موصوف نے آگے تشریح کرتے ہُوئے اُسے جو امتیازی مقام بخشا ہے وُہ ملاحظہ فرمایئے:

"اِس انوکھے طریقہء بیعت کی تشریح یُوں بھی ہوسکتی ہے کہ صوفیانہ طریقے اگر ابتدا کی سرمستی و سرشاری سے معرّا ہو چکے تھے پھر بھی عام دماغوں میں اُن کی جڑیں گہری تھیں۔ لوگ اُنھیں طریقوں پر بیعت کے خُوگر تھے۔ اُن کا یک بیک ترکِ کامل ایک غیر عملی یا اَن ہونی سی بات ہوتی۔ طریقِ محمدی میں جو صحیح طرزِ معاشرت ملحوظ رکھا گیا تھا، اُس کی تفصیلات خود صراطِ مستقیم اور مختلف وہابی تحریروں میں کافی شرح و بسط سے درج ہیں۔ اُن میں سے دُو

---

[1] ڈاکٹر صاحب نے طریقے چار بتائے لیکن گنائے تین۔ معلوم ہوتا ہے وُہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے کچھ زیادہ ہی ناراض تھے۔

[2] محمد مسلم عظیم آبادی، پروفیسر: ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۵۰

اصول بہت نمایاں ہیں۔ باری تعالیٰ پر جس کی صفات اشارۃً بھی کسی مخلوق سے منسوب نہیں کی جا سکتی ہیں، سختی سے بلا شرط و قید ایمان رکھنا اور اپنی شخصی زندگی میں عملی اخلاق پہ کاربند رہنا۔"[1]

جب مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنا محمدی گروہ مسلمانانِ اہلسنت و جماعت سے جدا بنانا شروع کر دیا۔ اپنے خاندانی بزرگوں کے مسلک کو بھی خیر باد کہہ دیا بلکہ اُس طریقے پر چلنے والوں کو ہر مقام پر مشرک اور بدعتی کہنا شروع کر دیا تو مسلمانوں کے جذبات کا بھڑکنا اور لڑائی جھگڑے تک نوبت آجانا ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ متعدد مقامات پر تصادم بھی ہوئے۔ اِس حقیقت کو مرزا حیرت دہلوی نے اُلٹ پھیر کے ساتھ یُوں بیان کیا ہے:

"جب بدعتیوں کو پے در پے یہ فاش شکستیں ملیں تو اب اُنھوں نے مخالفت کا دُوسرا پہلو بدلا اور وُہ پہلو یہ تھا کہ ہر گلی کے نکڑ پر ایک مُلّانا کھڑا کر دیا کہ وُہ مولانا شہید کو کافر بنائے اور گمراہ کہے۔ غرض سوائے تبرّے کے اور کچھ نہ کہے۔ جب اِس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی، کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔"[2]

انصاف والے ذرا اِس حوالے کو غور سے پڑھیں۔ وہابی حضرات خود کو قدیمی جماعت بتاتے اور ولی اللّٰہی تعلیمات کا علمبردار ٹھہراتے ہُوئے نہیں تھکتے لیکن یہ محمدی گروہ کس نے بنایا تھا؟ جدید گروہ اور اہلسنّت سے جُدا ہونے والا گروہ کس کا ہے؟ غور فرمائیے اہلسنت و جماعت سے کٹ کر علیحدہ اپنا گروہ بنانے والے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ہیں یا مولانا احمد رضا خاں بریلوی، جو ان واقعات کے تقریباً چالیس سال بعد پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال جب لڑائی جھگڑے تک نوبت پہنچنے لگی تو بانیِ وہابیت نے بدمعاشوں اور غنڈوں کا اپنی حفاظت کے لیے ایک محافظ دستہ تیار کیا۔ ہادیِ اکبر، نبیِ آخر الزماں صلی اللّٰہ

---

[1] محمد مسلم عظیم آبادی، پروفیسر: ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۵۰

[2] حیرت دہلوی مرزا: حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۹۹

تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ کائنات کے سامنے روشن ترین مثال ہے۔ جب آپ نے بھولے بھٹکے انسانوں کو راہِ راست کی طرف بلانا شروع کیا تو اکثر مخاطبین دشمنی پر تُل گئے لیکن آپ نے مخالفوں کی پروا کیے بغیر، اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر حق و صداقت کی تبلیغ جاری رکھی اور ایک ایسی جماعت تیار کرنے میں شب و روز منہمک رہے جو بجا طور پر پوری اُمت کے پیشواؤں کے بھی پیشوا کہلانے کے حق دار ہیں۔ بعد میں بزرگوں، مصلحوں اور ریفارمروں نے ہمیشہ نیک لوگوں کی دین کے پھیلانے میں مدد لی لیکن معلوم نہیں مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کس قسم کے مصلح تھے اور کیسی اصلاح کرنا چاہتے تھے جس کے پیشِ نظر اُنھوں نے خدا پر توکل اور نیک بندوں کی اعانت حاصل کرنے کے بجائے معاشرے کے گھٹیا افراد کی خدمات حاصل کیں۔ اِس سلسلے میں موصوف کے سوانح نگار یعنی مرزا حیرت دہلوی، حقیقت کے چہرے سے یُوں پردہ اٹھاتے ہیں:

"مولانا شہید نے خطرہ کے وزن کو پہچان لیا تھا اور گو ابھی عمائد و اعیانِ شہر اِس طرف رجوع نہ ہُوئے تھے اور نہ ابھی مولوی فضل حق صاحب کی مخالفانہ کارروائی شروع ہُوئی تھی، پھر بھی عقلمندی یہ تھی کہ ہر طرح سے بندوبست کیا جائے اور ایسا نہ ہو کہ مخالف غافل پا کے کوئی جسمانی مضرت پہنچائیں۔ آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغنوں کو اپنی جادو بھری تقریر سُنا کے مُرید کیا اور اُنھیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مصلحت اِس کی مقتضی تھی کہ یہ کارروائی کی جائے کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔" [1]

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی جگہ جگہ مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی ٹھہرانے لگے، اُن کے مذہبی عقائد کو کافرانہ بتانے لگے تو چاروں طرف سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے پاس شکایتیں پہنچنی شروع ہو گئیں کہ حضرت! آپ کے بھتیجے آج یُوں کہہ رہے ہیں اور کل اُنھوں نے یہ کہا تھا۔ مرزا حیرت دہلوی نے شکایات

---

[1] حیرت دہلوی مرزا: حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵۸

کے معاملے کو اِس عجیب انداز میں سپردِ قلم کیا ہے:

"بڑے بڑے رئیس جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقدین میں سے تھے، خواہ شیعہ ہوں یا سُنّی، آ آ کے سمجھانے لگے آپ اپنے بھتیجے کو روکیے، یہ بڑی بدنامی کی بات ہے۔ شاہ صاحب سب کو یہی جواب دیتے تھے، جب تک اسمٰعیل سے خلافِ شریعت عمل سرزد نہ ہو، میں کیونکر اسے روک سکتا ہوں۔ وہ کوئی فساد انگیز تقریر نہیں کرتا کہ اُس پر میں معترض ہوں۔ آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہیے جس سے میں اُس کی کارروائی میں دست اندازی کرسکوں۔ جب اعیانِ شہر شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ جواب پاتے تھے تو اپنا سا منہ لے کے چلے جاتے۔" [۱]

انسان جب کسی کی ناجائز عقیدت یا نفرت کا شکار ہو جاتا ہے تو اُس کی خُوبیاں یا خامیاں بیان کرتے وقت انصاف کے تقاضوں کو مدّ نظر رکھنے سے قاصر رہ جاتا ہے اور بعض اوقات ایسے ایسے بیانات دینے پر مجبور ہو جاتا ہے جو بڑے مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ مرزا حیرت دہلوی کے دل و دماغ میں مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی عقیدت و محبت کے جذبات کچھ اِس طرح رچے بسے معلوم ہو رہے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے اِس بیان کے سامانِ تضحیک بننے کی بھی مطلقاً پروانہ کی۔ بس صفائی پیش کرنا تھی، عقیدت کا اظہار کرنا تھا۔ یہ دُوسری بات ہے کہ ایسے بیانات سے مرزا صاحب خود بھی ایک تماشا بن کر رہ گئے مثلاً چند متعلقہ باتیں قابلِ غور ہیں:

۱۔ جب بڑے بڑے رئیس شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایتیں کر رہے تھے اور وہ بھی ایسے حضرات جو حضرت شاہ صاحب کے معتقد تھے، اگر مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا مسلک حضرت شاہ صاحب کے مسلک سے ہٹا ہُوا نہیں تھا تو اُن سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

---

[۱] حیرت دہلوی مرزا: حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۹۲

۲۔ اگر موصوف کے خیالات میں کوئی بات خلافِ شرع اور فساد انگیز نہیں تھی تو شکایت کرنے والے بدنامی کی بات خود شاہ صاحب کے رُوبرو کس چیز کو بتا رہے تھے،

۳۔ اگر اعتراض کرنے کی بقول مرزا صاحب کوئی معقول وجہ نہیں تھی تو کیا شکایت کرنیوالوں کا دماغ خراب ہوگیا تھا کہ شکایت کرنے والے آتے ہی رہتے اور اپنا سا منہ لے کر چلے جاتے۔ آخر آنے کی وجہ ؟

۴۔ کیا شکایتیں صرف رؤسا ہی کر رہے تھے۔ اُن کی تصنیف "حیاتِ طیبہ" بھی یہی بتا رہی ہے کہ عوام و خواص یعنی اَن پڑھ مسلمان سے لے کر علمائے کرام تک سب بلبلا اٹھے تھے اور شاہ صاحب جیسے نابغۂ عصر سے شکایتیں کر رہے تھے کہ حضرت کیا یہ خاندان اب دینِ برحق کی خدمت سے اُکتا گیا ہے جو تخریبِ دین و اضلالِ مسلمین کا کام خود ہی سنبھال لیا۔ مرزا صاحب یہاں شکایت کرنے والے صرف رئیس حضرات کو بتا رہے ہیں گویا باقی سب خیریت تھی۔

۵۔ علمائے کرام کی جگہ بڑے بڑے رئیس لکھ کر مرزا صاحب شاید یہی تاثر دینا چاہتے ہوں کہ مذہبی لحاظ سے اُن کے محبوب رہنما کے خیالات و نظریات بالکل درست، خاندانی مسلک کے مطابق اور جمہور اہلسنّت کی آواز تھے، بس رئیسوں کو کچھ شکایتیں ان کی اصلاحی تقریروں سے ہوگئی تھیں لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ اسی کتاب کے صفحات اُن کے اس بیان کی تکذیب و تردید کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں فریقِ ثانی کے متعدد علمائے کرام نے اِن شکایات کا تذکرہ جس انداز میں کیا اور حضرت شاہ صاحب نے جو جواب مرحمت فرمایا، اگر تنقید کی نظر سے غیر جانب دار ہو کر دیکھا جائے تو اُن کے بیاناتِ حقیقت کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مثلاً قاضی فضل احمد لدھیانوی نے فریاد المسلمین کے حوالے سے یہ واقعہ یُوں بیان کیا ہے:

"اُنھیں دنوں ایک کتاب شیخ (ابن) عبدالوہاب نجدی کی تصنیفات کا انتخاب بمبئی سے دہلی میں آئی۔ چونکہ عبدالوہاب مسطور ملک عرب کا باشندہ زبان دان تھا

مولوی اسمٰعیل اُن کی فصاحت و بلاغت پر فریفتہ ہو گئے۔ اُس کے کچھ مسائل انتخاب و اخذ کر کے علمائے دہلی حنفی مذہب سے چھیڑ چھاڑ کرنی شروع کر دی اُنھوں نے اِس کو خورد سال، خام خیال سمجھ کر ان سے بحث نہ کی مگر مولانا عبد العزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے اِن کی بے اعتدالی کے شاکی ہوئے۔ مولانا موصوف نے کچھ رنجیدہ خاطر ہو کر مولوی اسمٰعیل کو پیغام بھیجا کہ میری طرف سے کہو اُس لڑکے نامراد کو کہ جو کتاب بمبئی سے آئی ہے، مَیں نے بھی اُس کو دیکھا ہے۔ اُس کے عقائد صحیح نہیں بلکہ بے ادبی و بے نصیبی سے بھرے ہُوئے ہیں۔ میں آجکل بیمار ہُوں اگر صحت ہوگئی تو میں اُس کی تردید لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تم ابھی نوجوان بچے ہو، ناحق شور و شر برپا نہ کرو۔"[۱]

مذکورہ بالا عبارت نے کئی غلط فہمیوں کو دُور کر دیا اور صورتِ حال کا اُس کی اصلی شکل میں اظہار کر دیا۔ مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے اِسی خاندانی مسلک سے اختلاف کا ایک واقعہ یُوں بیان کیا ہے:

"اِس کے متعلق مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خُوب جواب دیا تھا۔ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے جہر بالتامین کے متعلق کہا تھا کہ حضرت آمین بالجہر سنت ہے اور یہ سنّت مُردہ ہو چکی ہے اِس لیے اِس کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث اس سنّت کے باب میں ہے، جس کے مقابل بدعت ہو اور جہاں سنّت کے مقابل سنت ہو وہاں یہ نہیں اور آمین بالسر بھی سنت ہے تو اِس کا وجود بھی سنّت کی حیات ہے۔ مولانا شہید نے کچھ جواب نہیں دیا۔"[۲]

یہی مولوی اشرف علی تھانوی ایک واقعہ اور بیان کرتے ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے

---

[۱] فضل احمد قاضی : انوار آفتاب صداقت، ج ۱، ص ۵۱۶

[۲] : افاضات الیومیہ، ج ۳، ص ۱۶۰

کہ اِن بزرگوں کی زندگی میں اُن کی پروا کیے بغیر مولوی محمد اسمٰعیل نے وہابیت کی کسی قدر ترویج و اشاعت جاری کر دی تھی:

"شاہ عبد القادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہہ دیا تھا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو، اِس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو پھر اِس حدیث کے کیا معنی ہوں گے "من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مأته شهيد"، کیونکہ جو کوئی سنّت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے عبد القادر صاحب سے اُس کا جواب بیان کیا۔ اُس کو سُن کر شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا: بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اِسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وُہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھتا۔ یہ حکم تو اُس وقت ہے جبکہ سنّت کے مقابل خلافِ سنّت ہو اور ما نحن فیہ میں سنّت کا مقابل خلاف سنّت نہیں بلکہ دُوسری سنّت ہے۔" [1]

پروفیسر محمد مسعود صاحب نے ایسے ہی واقعات کے پیشِ نظر یُوں وضاحت فرمائی ہے:

"مولانا اسمٰعیل تو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے پوتے اور حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ اِن کے دونوں چچا (کیونکہ تیسرے چچا شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ کا ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء میں انتقال ہو گیا تھا) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب اِن پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے، مگر جب زورِ علم نے بیباک بنا دیا تو بات یہاں تک پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجلس مبارکہ سے اِن کو اٹھا دیا۔ آخر میں دونوں چچا اِن سے ناراض ہوگئے تھے لیکن سوانح نگار صرف ابتدائی دور کا

---

[1] اشرف علی تھانوی، مولوی: بوادر النوادر، مطبوعہ دیوبند، ص ۹۶۴

ذکر کرتے ہیں، مجلس سے اُٹھانے کا واقعہ تو شاید مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی بوادر النوادر میں تحریر فرمایا ہے۔" لہ

سیف اللہ المسلول، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) نے جو مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے معاصر اور دیگر علمائے اہلسنت وجماعت کی طرح ہندی وہابیوں کی حرکاتِ قبیحہ کے عینی گواہ اور علمائے اہلسنّت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اُنھوں نے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں محمد اسمٰعیل دہلوی اور اُن کے معتقدوں کی تردید کی اور اِس تخریب کاری کے چہرے سے یُوں پردہ اُٹھایا:

"اُس مذہب کو پسند کیا اور تقویۃ الایمان تصنیف کی، گویا اُسی کتاب التوحید کی شرح ہے۔ اِس دین کی بڑی شہرت ہُوئی اور عوام الناس بہت اِس بلا میں پھنسے۔ توہین وتحقیرِ انبیاء واولیاء کی اور تکفیر تمام امت سلف وخلف کی خوب جاری ہُوئی۔ دین دار اہلِ علم جہاں تھے اُن کے فیضِ صحبت سے جو بچا سو بچا ورنہ اوّل وہلہ میں اکثروں کو اِس طرف میل آگیا، بسبب شہرت اُن کے خاندان کے اور ناواقفی کے فنِ سیرت اور حدیث سے۔ جب نوبت دِلّی میں پہنچی ہزاروں ہزار آدمی کہ شاگرد ومرید اور دیکھنے والے صحبت یافتہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہما) کے اور علم میں اُن سے زائد لوگ موجود تھے، مولوی اسمٰعیل اور مولوی عبدالحی سے دست وگریباں ہوئے اور خواص نے فہمائش کی کہ اِس سفر میں یہ نیا دین کیسا نکال لائے کہ اُس کی رُو سے تمہارے استادوں سے لے کر صحابہ تک کوئی کفر وشرک سے نہیں بچا اور قبل اِس سفر کے تم بھی اُسی طریقہ پر تھے اور ویسا ہی وعظ کہتے تھے اور فتوٰی لکھتے تھے، جس کو اب شرک کہتے ہو۔ یہ دین میں فساد ڈالنا اور قرآن وحدیث میں تحریف کرنا اور خلائق کو گمراہ کرنا، بہت

لہ محمد مسعود احمد، پروفیسر، مواعظ مظہری، ص ۸۲

بُرا ہے۔ ہر چند نصیحت کی، کچھ سُود مند نہ ہُوئی، لاچار ہو کر سب نے اُن کا رد و ابطال کیا۔ مولوی مخصوص اللہ صاحب اور مولوی موسیٰ صاحب، مولوی رفیع الدین صاحب کے صاحبزادوں نے فتوے اور رسالے اُن کے رد میں لکھے، نوبت تکفیر تک پہنچائی۔ مولوی فضل حق خیر آبادی نے جزاہ اللہ خیراً کہ علم و فضل میں مولوی اسمٰعیل وغیرہ کو اُن سے کچھ نسبت نہیں... ہر طرح مولوی اسمٰعیل کے رُوبرُو اُن کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی نوبت تحریر میں آئی۔ مسئلہ شفاعت میں مولوی اسمٰعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے اور "تحقیق الفتویٰ فی ردِ اھل الطغویٰ" کمال شرح و بسط سے مولوی فضل الحق (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب نے لکھا"۔ [1]

مفتی صدر الدین آزردہ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) نے بھی مولوی اسمٰعیل دہلوی کو خوب سمجھایا کہ دین میں تخریب کرنا اور اپنے خاندان کی عظیم الشان مذہبی خدمات پر پانی پھیرنا عقلمندی نہیں ہے۔ موصوف نے اقرار بھی کر لیا تھا لیکن معلوم نہیں اندریں خانہ کیا مجبوری پیش آگئی کہ پرنالہ وہیں رہا۔ مثلاً:

"مفتی صاحب (مفتی صدر الدین آزردہ) اسمٰعیل کو فہمائش کر کے راہِ راست پر لائے اور اُن سے اقرار کرا لیا کہ اب ہم نے تحقیق کی اور افراط و تفریط کو چھوڑا، سوادِ اعظم کے مخالف سے منہ موڑا اور یہ بات خاص و عام پہ جامع مسجد میں شائع و ذائع ہو گئی"۔ [2]

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے نامور فیض یافتہ مولانا رشید الدین خاں صاحب علیہ الرحمہ نے بھی فہمائش کا فریضہ ادا کیا۔ چنانچہ

---

[1] فضلِ رسول بدایونی، مولانا: سیف الجبار، مطبوعہ کانپور، ص ۵۸، ۵۹

[2] فضل احمد قاضی، مولانا: انوار آفتابِ صداقت، ج ۱، ص ۵۱۴

قاضی فضل احمد صاحب یُوں تصریح کرتے ہیں :

"مولانا رشید الدین خاں صاحب نے تخلیہ میں بذریعہ و بلا ذریعہ اسمٰعیل کو بہت سمجھایا کہ دین میں فتنہ ڈالنا اور جماعت میں تفرقہ پیدا کرنا قبیح ہے اور واجب الترک اور مفروض الاجتناب۔ اگر دِل میں کچھ خلش ہے (یعنی شک و شبہ) تو آؤ ما و شما و دیگر علماء و صلحاء متفق ہو کر کُتبِ دین کی طرف رجوع کریں اور احقاقِ حق قبول کر لیں اور شقاق و نفاق کو جماعتِ مومنین سے استیصال کریں اور نوائے اعانت و اشاعت کا راہِ راست پر کہ اتباعِ سوادِ اعظم ہے بلند کریں اور خاص و عام کو حق سے آگاہ کریں۔ مولوی عبد الحی اور مولوی اسمٰعیل اِس خوف سے کہ ہمارے عقائدِ فاسدہ طشت از بام نہ ہو جائیں رُو براہ نہ لائے"۔[1]

جب مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے خاندانی بزرگ سمجھا بجھا کر تھک گئے، اُس خاندان کے فیض یافتہ علمائے کرام نے فہمائش کا فریضہ ادا کر لیا اور دیگر علمائے اہلسنت اِنھیں سمجھاتے، راہِ راست پر لاتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے سے روکتے تھے تو موصوف کا پارہ اور چڑھ گیا، خارجیت و نجدیت کا اصلی رنگ موصوف کی تقریر و تحریر سے ظاہر ہونے لگا۔ بات بات پر مسلمانوں کو ٹھیٹ مشرک بتانا شروع کر دیا۔

حضرات علمائے کرام نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی سے یہی تو کہا تھا کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا نہ کریں متحدہ ہندوستان کے مسلمانانِ اہلسنت و جماعت کو مشرک بنا کر تیرہ صدیوں کے مسلمانوں کو جہنم کا ایندھن قرار نہ دیں، خود شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے سمجھا بجھا کر اور ڈرا دھمکا کر دیکھ لیا اور موصوف کسی کے کہنے کو خاطر میں لائے ہی نہیں تو مجبور ہو کر مسلمانانِ اہلسنت و جماعت نے قانون کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ اُس وقت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

---

[1] فضل احمد قاضی، مولانا : انوار آفتابِ ہدایت، ج ۱، ص ۴۵۱

نے اِس فتنے کے متعلق جو ریمارک دیا وُہ اُن کی انتہائی وسیع النظری کا بیّن ثبوت ہے۔
مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے سوانح نگار یعنی مرزا حیرت دہلوی نے اُس موقعے کے جملہ حالات کو بیان تو کیا ہے لیکن اس طرح کہ اپنے محبوب رہنما کی آن پر حرف نہ آئے۔ واقعات تو بیان کر دیے لیکن انصاف کا خون کر کے۔ قارئین کرام مندرجہ ذیل بیان کو پڑھیں اور حقائق کی روشنی میں تجزیہ کریں:

"یہ زمانہ گویا مولانا شہید کی ریفارمیشن کا آغاز تھا اور یہی زمانہ اُس تلخ تر دشمنی کا تھا جو خواہ مخواہ حاسد مولانا سے کرتے تھے۔ جب مختلف مضامین پر وعظ ہُوئے تو لوگوں میں جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ایک شورش سی پھیل گئی اور چاروں طرف ایک دُھوم مچ گیا۔ بھلا وُہ تو مدّت سے مختلف پیروں، شہیدوں، سیتلا ماتا کے پُوجنے کے عادی تھے، اُنھیں اکیلے خدا کی پرستش کاہے کو اچھی معلوم ہوتی۔ وہ بھڑکتے بھڑکتے مولانا شہید کے فقیری وعظ سے پورے بھڑک اُٹھے اور اب اُنھوں نے عدالت کی طرف رجوع کرنا شروع کر دیا کیونکہ اکبر شاہ (بادشاہِ دہلی) کی طرف سے تو صاف جواب مِل چکا تھا، مگر عدالت میں جانے سے پہلے اُنھیں ضرور ہوا کہ وُہ مولوی فضل حق صاحب سے مشورہ کر لیں کہ کیا تدبیر کرنی چاہیے۔ مولوی منطقی صاحب (علّامہ فضل حق خیر آبادی) رزیڈنٹ کے بڑے مُنہ چڑھے اور معتبر تھے اور وُہ اُن ہی کے کہنے پر زیادہ چلتا تھا۔ جب یہ لوگ سررشتہ دار (علّامہ خیر آبادی) کے پاس پہنچے اور ساری کیفیت عرض کی تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے کہ "اسمٰعیل دینِ محمدی کی بیخ کنی کیے بغیر نہیں رہنے کا"۔ یہ مولوی منطقی صاحب کا پہلا جُملہ تھا جو اُنھوں نے پیارے شہید کی نسبت استعمال کیا۔"[1]

بہرحال قانونی چارہ جوئی سے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا وعظ بند کر دیا گیا۔ اس

---

[1] حیرت دہلوی مرزا: حیاتِ طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۹۰

بندش کے دوران میں معلوم نہیں اعلیٰ انگریزی حکام کے ساتھ مل کر کیا کھچڑی پکائی گئی کہ ریزیڈنٹ نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے وعظ پر جو پابندی لگائی تھی اُسے منسوخ کر دیا گیا۔ منسوخی کا حکم متوقع وقت پر نہ پہنچا تو موصوف اپنے معتمد ساتھیوں کے ہمراہ ریزیڈنٹ کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔ ریزیڈنٹ نے جو موصوف کا معنی خیز اور خلافِ توقع اعزاز و اکرام کیا یا وُہ ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا تھا، اُس نے اہلِ نظر علمائے اہلسنت کی آنکھیں کھول دیں۔ یہ واقعہ بھی مرزا حیرت دہلوی کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

"آپ نے خارجی طور پر دریافت کر کے کہ فلاں وقت ملنے ملانے اور فرصت کا ہوتا ہے، سیدھے کوٹھی پر پہنچے۔ ساتھ میں صرف مولوی عبد الصمد بنگالی اور مولوی عبد الرحیم محدّث تھے اور ایک آپ کا منشی ہیرالال تھا اور ایک خدمت گار تھا۔ پہلے آپ نے جا کے اطلاع کرائی۔ جُونہی رزیڈنٹ نے سُنا کہ شاہ اسمٰعیل آئے ہیں، فوراً باہر نکل آیا اور باہر برانڈے سے آ کے لے گیا۔ حد سے زیادہ عزّت کی اور بار بار یہ کہا، آپ نے بڑا ہی سرفراز کیا۔ معمولی مزاج پُرسی کے بعد رزیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے، مولوی صاحب! ہمارے سررشتہ دار (علامہ فضل حق خیر آبادی) کی غلطی سے آپ کے وعظ بند کرنے کا ہیں نے حکم جاری کر دیا تھا، لیکن جب آپ نے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو مَیں نے اُسی وقت حکم ثانی لکھوا دیا تھا کہ وعظ قدیمی طور پہ جاری کیا جائے اور کوئی مزاحم نہ ہو۔"[1]

زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وعظ پر جو پابندی لگا دی گئی تھی اُسے اُٹھا لیا جاتا، دوبارہ وعظ کرنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن "قدیمی طور پر جاری کیا جائے" کے الفاظ کچھ اور ہی غمازی کر رہے ہیں اور "کوئی مزاحم نہ ہو" کا آرڈیننس اُس خدشے کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔ ان باتوں سے قطع نظر مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی نظر میں مسلمان تو سب کے سب

---

[1] حیرت دہلوی مرزا: حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۹۴

مشرک ہی تھے لیکن ایک ظاہر بُت پرست اور ٹھیٹ مشرک یعنی ہیرالال کو کس عقیدت، محبت یا یگانگت کے تحت منشی (پرسنل سیکرٹری) رکھا ہُوا تھا، جو رازداری کے مواقع پر بھی سائے کی طرح ساتھ ہونا ضروری تھا۔ حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ تو یہ ہے کہ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ۔ اے ایمان والو! غیر مسلموں کو اپنا راز دار نہ بنانا۔ لیکن یہ نرالے ریفارمر صاحب ہیں کہ ہیرالال ہندو کو منشی رکھتے ہیں اور عجیب و غریب مجاہد ہیں کہ راجہ رام ہندو راجپوت کو توپچی رکھتے ہیں۔ کہیں یہ میراثِ خوارج سے بہرہ وری اور "یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان" کی جلوہ گری تو نہیں۔ اسی منشی ہیرالال کے متعلق مرزا حیرت دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے:

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم شاہ صاحب (محمد اسمٰعیل دہلوی) کا وعظ بلفظہٖ نقل نہیں کر سکتے، اِس لیے کہ جو کاغذات منشی ہیرالال کے ہاتھ کے لکھے ہُوئے ہمیں ملے ہیں وُہ علاوہ پارہ پارہ ہونے کے ایسے بدخط لکھے ہُوئے ہیں کہ ہم بلفظہٖ نقل کرنے کا فخر حاصل نہ کر سکے۔"[1]

جب فہمائش سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہُوا، قانونی چارہ جوئی نے کچھ اور ہی نظارہ دکھایا کہ چودہ طبق روشن ہو کر رہ گئے تو یقین ہو گیا کہ جس راستے پر موصوف گامزن ہو چکے ہیں اُس سے ہٹنا اور اپنے بزرگوں کے مسلک کی پیروی کرنا اب اِن کے بس سے باہر ہے۔ یہ اپنی مرضی کھو چکے، کسی کی مرضی کے پابند ہو چکے ہیں تو علمائے کرام نے طے کیا اب فرض کی ادائیگی کا یہی صرف یہی طریقہ باقی رہ گیا ہے کہ موصوف سے بحث مباحثہ کر کے اِنھیں مسلک سے ہٹا ہوا اور مذہب اہلسنت وجماعت سے کٹ کر خارجیت و وہابیت کا علمبردار ثابت کیا جائے تاکہ عوام الناس اِن کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت برباد کرنے سے محفوظ و مامون رہ سکیں۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے خلفاء اور مولوی محمد اسمٰعیل کے چچا زاد بھائیوں نے اُن سے جامع مسجد دہلی میں ایک

---

[1] حیرت دہلوی مرزا: حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۸۴

فیصلہ کن مباحثہ کیا، جو پاک و ہند کی سرزمین میں حنفیت و وہابیت کا سب سے پہلا مناظرہ تھا۔
اِس مباحثے کی روئداد حضرت فضلِ رسول بدایونی قدس سرہٗ نے ۱۲۴۰ھ میں موصوف کے
حینِ حیات یعنی اُن کے قتل ہونے سے پانچ چھ سال پہلے یُوں بیان فرمائی اور کسی نے ایک
لفظ کی تغلیط ثابت نہ کی۔ لکھا ہے:

"مجلسِ جامع مسجد کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ایک استفتاء مرتب ہُوا، بمہرِ و
دستخط مولوی رشید الدین خاں صاحب و مولوی فضل حق صاحب و مولوی
مخصوص اللہ صاحب و مولوی موسیٰ صاحب و مولوی محمد شریف صاحب و
مولوی عبد اللہ صاحب و آخون شیر محمد صاحب، صبح کے وقت منگل کے
دن انتیسویں [29] ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو، کہ مولوی عبد الحی جامع مسجد میں وعظ
کہہ رہے تھے۔ مولوی رشید الدین خاں صاحب و مولوی مخصوص اللہ صاحب
و مولوی مُوسیٰ صاحب، مولوی رفیع الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور
مولوی محمد شریف صاحب وغیرہ علماء و طلبہ، خاص و عام، حوض پر مجتمع ہُوئے
جب مولوی عبد الحی وعظ کہہ چکے، عبید اللہ طالب علم نے استفتاء پیش کیا کہ
اپنی مہر اِس پر کر دیجئے۔ مولوی عبد الحی نے کہا، میں نہیں مُہر کرتا کہ میں کچھ نہیں
جانتا۔ اُس نے کہا: یہی لکھ دیجئے اور اصرار کیا تو مولوی عبد الحی نے انکار کیا
اور ملال ظاہر کرنے لگے۔

مفتی شجاع الدین علی خاں صاحب نے کہا کہ اِس کا تصفیہ ضرور ہے
کہ بڑا اختلاف پڑ گیا ہے۔ مرزا غلام حیدر شاہزادے اہلِ علم کی تکرار سے
رنجیدہ ہُوئے اور مولوی عبد الحی وغیرہ کو مجمعِ علماء میں واسطے مناظرہ لائے۔ مجمع
بے شمار خاص و عام، امیر و فقیر کا ہو گیا۔ کوتوال بھی واسطے بندوبست کے آپہنچا۔
مولوی عبد الحی نے فاضلوں سے پُوچھا کہ تم کیوں آئے ہو؟ کسی نے کہا کہ آپ کے
بُلانے کے موافق کہ ہر روز کہا کرتے تھے کہ جس کو تاب مناظرہ کی ہو ہمارے سامنے
آوے۔ سُن کر چُپ ہُوئے۔ مولوی مخصوص اللہ (شاہ رفیع الدین محدث

دہلوی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے) نے کہا کہ ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے مولوی موسیٰ (شاہ رفیع الدین محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے) نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو (شاہ عبدالعزیز و شاہ عبدالقادر و دیگر علماء اہلسنت کو) بُرا کہتے ہو۔ بولے کہ میں نہیں کہتا۔ مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ ایسے مسئلے نئے بناتے ہیں کہ اُن سے بُرائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؛ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر (شاہ عبدالعزیز و شاہ ولی اللہ وغیرہ) اُس کے مباشر ہوتے تھے۔ مولوی عبدالحی نے انکار کیا۔ کسی نے کہا کہ لکھ دو تاکہ تمھارے اُوپر جھوٹ باندھنے کی تکذیب کی جاوے۔ مولوی عبدالحی نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے لکھ دیا، بوسہ دہندہ مشرک نیست۔

مولوی رشید الدین خاں صاحب کے ہاتھ میں فتویٰ دیا گیا اور قریب مولوی عبدالحی کے آبیٹھے۔ مولوی عبدالحی نے گلہ شکوہ اُن سے شروع کیا کہ خانصاحب مجھے آپ کی خدمت میں دوستی تھی، تم برملا مجھے ذلیل کرتے ہو۔ خانصاحب نے فرمایا کہ ہم تمھارے اعزاز و اظہارِ کمال کے واسطے آئے ہیں لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ تم مسئلے خلاف سلف کے کہتے ہو، اِس سبب سے تم سے خلق کو وحشت ہے۔ ایسے مجمع میں مفتریوں کی تکذیب ہو جاوے گی۔ مولوی عبدالحی شکوے ہی کی پریشان باتیں کرتے رہے۔ خانصاحب نے فرمایا کہ تمھارے لوگ (مبلغ وہابیت و نجدیت مثل شاہ اسمٰعیل) کہتے ہیں کہ عبدالعزیز کی راہ، راہ جہنّم کی ہے (نعوذ باللّٰہ) اُسی وقت گواہی سے یہ بات ثابت ہو گئی، لوگ بُرا کہنے لگے۔ مولوی عبدالحی نے بھی تبرّا کیا باوازِ بلند اور مولوی رشید الدین خاں صاحب سے کہا کہ مولانا عبدالعزیزؒ کی محبت اور اعتقاد، علم و بزرگی میں، میں مثل تمھارے ہی، طحاوی اور کرخی کے برابر جانتا ہوں۔ پھر استفسار شروع ہُوا۔ ہر مسئلے کا جواب دیا کہ چنداں مخالف جمہور کے نہ تھا۔

مولوی اسمٰعیل نے پہلے ہی استفسار سے ارادہ کیا، اُٹھ جانے کا۔

مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا : ذرا تشریف رکھیے کہ جناب کے بھی دستخط اِس تحریر پر ضرور رہیں۔ مولوی اسمٰعیل نے کہا کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں، میرے واسطے محتسب لا، اے مردود، میرے ساتھ سختی کرتا ہے" اُنھوں نے کہا کہ حضرت! میں سختی نہیں کرتا، عرض کرتا ہوں۔ پھر مولوی اسمٰعیل نے کہا کہ میرے رسالے کا جواب لکھ۔ مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ رسالہ آپ کا میری بغل میں ہے اگر فرمائیے، اِسی مجمع میں جواب عرض کروں۔ غصّہ کھا کر کچھ نہ کہا۔ پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ جواب عقلی لکھوں یا نقلی۔ کہا جیسا چاہیے۔ پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا ردِّ جواب اس کا لکھو گے؟ کہا کہ میں محکوم کسی کا نہیں ہوں۔ مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ نئے عقیدے اپنے دل کے بنائے ہوئے کسی سے نہ فرمائیے اور نہیں تو ابھی بحث کر لیجئے۔ مولوی اسمٰعیل اُٹھ بھاگے اور چلتے ہوئے۔

رشید الدین خاں صاحب مولوی عبدالحی سے پوچھا کیے، وہ جواب دیتے تھے، ایسے کہ قدماء کے خلاف نہ تھے۔ تیرھویں سوال میں کہ بدعت کی بحث تھی مولوی عبدالحی نے کہا کہ میرے نزدیک بدعت حسنہ بھی ہے، گو اصل ہر بدعت کی بد ہے مگر سبب نیکی کا اُس میں ہو تو حسنہ ہو جاتی ہے و اِلّا فلا۔ مولوی رشید الدین خاں صاحب نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی بد نہیں ہے بموجب حدیث "من سن سنة حسنة ومن سن سنة سيئة" (الحديث) کے اور حدیث "من احدث فی امرنا هٰذا ما لیس منه" اور حدیث "من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله" کہ ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہُوا کہ نیا طریقہ نیک بھی ہوتا ہے، بد بھی اور خدا اور رسُول کی مرضی کے موافق بھی، مخالف بھی، گمراہ بھی، غیر گمراہ بھی۔ اِسی سبب سے علماء نے کہا ہے کہ بعض بدعت واجب، مندوب و مباح بعضے حرام، مکروہ۔

مولوی مخصوص اللہ صاحب (ابن شاہ رفیع الدین) نے کہا، جس بدعت کی وجہ حُسن و قُبح ظاہر نہ ہو وُہ کیا ہے؟ مولوی عبدالحی نے کہا: سیئہ۔ اُنھوں نے کہا: اِس تقدیر پر بدعت و مباح میں کیا فرق ہے؟ مولوی

عبدالحی ساکت ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ احکامِ خمسہ میں سے ایک حکم کم ہو گیا۔
پھر مولوی عبدالحی نے کہا کہ ہر بدعت کو بُرا اِس واسطے کہتا ہُوں کہ "کل بدعۃ"
کا کلیہ ظاہر پر ہے اور مخصوص نہ ہو جاوے۔ خانصاحب نے کہا کہ تخصیص سے
کیا قباحت لازم آتی ہے؟ اور عمومات میں تخصیص مشہور ہے۔ مولوی محمد شریف
نے پڑھا "مامن عام الا وقد خصّ منه البعض" خانصاحب نے کہا
کہ تینوں حدیثیں مذکورہ بالا تخصیص کو چاہتی ہیں، پس تخصیص ضرور ہُوئی۔
مولوی عبدالحی نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی قبیح بعض علماء کا مذہب ہے۔
خانصاحب نے کہا کہ یہ قول حضرت مجدّد (قدس سرّہٗ) کا ہے مگر تمہارے
مذہب (خارجیت و وہابیت) سے نہایت دُور کہ اُن کے مذہب میں جس
کی اصل شرع میں پائی جاوے وُہ سنّت ہے، بدعت وہی ہے جس کی اصل
نہ پائی جائے۔ پھر مولوی عبدالحی نے غوطہ میں جا کر کہا کہ یہ قول نووی کا ہے،
فتح المبین میں لکھا ہے۔ اُسی وقت فتح المبین شرح اربعین امام نووی کی
پیش کی گئی۔ عبارت اُس مقام کی باوازِ بلند مع ترجمہ پڑھی گئی۔ پھر تو مولوی
عبدالحی اچھی طرح سے قائل معقول ہو گئے۔

پھر اذان میں بعد دفن کے کلام ہُوا۔ بعد کسی قدر تکرار کے کہا کہ میں کسی
کو منع نہیں کرتا۔ پھر کلام ہُوا، سوم کے فاتحہ میں۔ بعد قیل وقال کے کہا
کہ اگر اُس دن میں ثواب زیادہ جانتا ہے ممنوع ہے اور اگر ثواب زائد
نہیں جانتا اور برعایت مصلحت کے کرتا ہے تو منع نہیں ہے۔

تمام ہُوا خلاصہ نقل مجلس کا۔ پھر تو یہ حال ہُوا کہ ہر ایک مسئلہ میں
ادنیٰ ادنیٰ آدمی سے قائل (ساکت) ہونے لگے اور اطراف وجوانب میں بھی
یہ تقریریں اور تحریریں جا بجا پھیل پڑیں۔ سب پر ظاہر ہو گیا کہ مولوی اسمٰعیل کا
طریقہ مخالف ہے تمام سلف صالح کے اور اپنے خاندان کے بھی مخالف ہیں اور
سبب اعتبار کا وہی نسبت خاندان کی تھی۔ جب اُس کے بھی خلاف ٹھہرے

تو کچھ اعتبار نہ رہا اور ساری قلعی کھل گئی اور ہر جگہ جو اہل علم تھے متوجہ ہوئے اِن
کی بے دینی کے اظہار اور اُس کے رد لکھنے پر۔ ایسے سببوں سے آگ اُن کے
فتنے کی ٹھنڈی ہو گئی اور نئے دین والے بھی زبان دبا کر بات کرنے لگے"[1]

قارئین کرام! یہ تھا وہابیت کا سنگِ بنیاد جو دہلی میں رکھا گیا اور ولی اللّٰہی خاندان سے مولوی
[محمد] اسمٰعیل صاحب نے جس نجدی شجر کی آبیاری کا کام بڑی تندہی سے کیا۔ علمائے اہلسنت
نے اپنی بساط بھر اس فتنے کا مقابلہ کیا۔ خاندانی بزرگوں اور دیگر علمائے اہلسنت نے سمجھایا،
[ق]انونی چارہ جوئی کی، بحث و مناظرہ کی محفلیں گرم کی گئیں، لیکن مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی اور
[مول]وی عبدالحی دہلوی (المتوفی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء) تھے کہ اپنے جدید مذہب سے کسی طرح
[نہ] ہٹے، مغلوب ہوئے مگر ڈٹے رہے، اپنے اکابر سے روگرداں ہوئے، خاندان سے رشتہ
[ٹو]ٹا، دہلی مرکز سے رابطہ چھوٹا تو جہاد کا چکر چلایا، سیّد احمد صاحب کو صاحبِ وحی و عصمت
[بنا] بنایا، اُن کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے اور سابقہ روسیاہی کا داغ
[دھ]ونے کی خاطر، اِس خوشنما جال میں بھولے بھالے مسلمان پھنسائے۔ نجدیت کی پوری معلومات
[حاص]ل کرنے، نجدیوں سے فتنہ و فساد کے گُر سیکھنے کی خاطر، حجِ بیت اللّٰہ کا بہانہ کر کے ایک
[قافلہ] لے گئے، وہاں کیوں گئے اور کیا وہاں سے لائے، جتنے منہ اُتنی باتیں، حقیقت کا حال
[اللہ تع]الیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اُس کی عطا سے اُس کے برگزیدہ بندے۔ باقی تو صرف عقل و
[فک]ر کی باتیں ہیں۔ اِس دورۂ حج کے بارے میں پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر قیام الدین احمد
[صاح]ب نے بعض مورخین کے خیالات یُوں نقل کیے ہیں:

"حضرت سیّد احمد صاحب کا شاندار سفرِ حج اُن کی زندگی کا ایک اہم اور
فیصلہ کن واقعہ تھا۔ بعض انگریز مصنفوں نے زور دیا ہے کہ سیّد احمد کا سفرِ حج
اُن کی زندگی کا ایک انقلابی واقعہ تھا۔ اُن کے خیال میں اِسی دورانِ سفر میں
اُن کو عربی وہابیت سے زیادہ قریب کا رابطہ ہُوا، اُس کے عقائد سے بہت

[1] [فض]لِ رسول بدایونی، مولانا: سیف الجبار، مطبوعہ کانپور، ص ۶۱ تا ۶۴

متاثر ہُوئے اور ہندوستان میں اُن کی اشاعت کی۔ ایسا ہی ایک مصنف فلبی لکھتا ہے: "یہی زمانہ تھا جبکہ ایک شخص سیّد احمد بریلوی مکّہ کے سفر سے ہندوستان کو وُہ بیج لے گیا جس نے......... ۱۸۳۲ء میں اُن کی شہادت کے بعد وہابیوں کو کوہِ سیاہ کا ردِّ عمل بخشا اور اطراف تک اُس کی گونج یا جھٹکا پہنچا دیا۔"

ہندوستانی وہابیت پر ایک اور مشہور تر مصنف، ہنٹر لکھتا ہے:

"سیّد احمد کے قیامِ مکّہ کے دوران میں وہاں کے حکّام کی توجّہ، اُن کی تعلیمات کی اُن بدو قبائلوں کے خیالات سے مماثلت کی طرف منعطف ہُوئی، جن کے ہاتھوں مکّہ کے مقدس شہر نے اتنے مصائب اٹھائے تھے۔ علانیہ طور پر اُن کی تحقیر کی گئی اور شہر بدر کر دیے گئے۔ اِس جور و تعدّی کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وُہ ہندوستان آئے تو ایک مذہبی خواب بین اور مشرکانہ بدعمالیوں کے مصلح کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ محمد بن عبد الوہاب کے معتقد و مرید کی حیثیت سے۔"[1]

ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب اِن مصنفوں سے اتفاق رائے نہیں رکھتے لیکن موصوف کو اِس امر کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہیں آیا کہ نجدی اور ہندی وہابیت اصل میں ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں۔ شراب وُہی ہے لیبل جُدا جُدا ہیں۔ موصوف کی تصریح اُن کے اپنے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے:

"حقیقت یہ ہے کہ چونکہ دونوں تحریکوں کا مخرج و مبداء ایک ہی ہے، قرآن وحدیث۔ دونوں کے درمیان کچھ مماثلتیں ضرور ہیں۔ اِن دونوں تحریکوں (نجدی اور ہندی تحریکِ وہابیت) کے ظہور کے وقت دونوں ملکوں میں ایک قسم کے حالات و کوائف درپیش تھے اور دونوں اسلام کے اصل اصول کو دوبارہ رائج و شائع کرنے کی ضرورت پر مصر تھے، جن میں بنیادی چیز توحید

---

[1] محمد مسلم عظیم آبادی، پروفیسر: ہندوستان میں وہابی تحریک، مطبوعہ کراچی، ص ۵۳

اور ترکِ بدعات پر زور دینا تھا۔ محمد بن عبدالوہاب کی التوحید (کتاب التوحید)
اور شاہ اسمٰعیل کی تقویۃ الایمان اِن بنیادی امور پر زور دینے میں متفق الخیال
ہیں۔"[1]

غنیمت ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ھندی اور نجدی وہابیت کی مماثلت تقسیم کرلی، باقی رہا اُن
کا دعویٰ کہ دونوں تحریکیں اپنا مبداء اور مخرج قرآن وحدیث کو ٹھہراتی ہیں اور توحید و ترکِ
بدعات پر زور دیتی ہیں تو اِس سلسلے میں ہماری رائے تو یہی ہے کہ آج تک ایسا کون سا
بدمذہب گروہ کھڑا ہُوا ہے جس نے اپنے مخصوص نظریات کا مخرج، قرآن وحدیث کو نہ ٹھہرایا
ہو، رہی توحید والی بات، تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اِسی پیمانۂ توحید سے ناپ کر تو اوّلین
خوارج نے امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُنھیں مسلمان جاننے والے
صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کو مشرک اور اسلام سے خارج ٹھہرایا تھا، اگر اسی ساختہ
توحید کو لے کر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء)
نے بارہ صدیوں کے مسلمانوں کو مشرک بتاکر جہنم کا ایندھن ٹھہرائیں، ساری اُمتِ محمدیہ کو
مشرکوں کا جمگھٹا بتائیں تو اتنی بات پر متفق ہونے کی وجہ سے یہ دونوں حضرات اس ساختہ توحید
پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک کیوں نہ مصلح اور ریفارمر قرار پائیں؟ ڈاکٹر صاحب نے
دونوں تحریکوں میں دو[2] اختلافی امور بھی ذکر کیے ہیں، جن میں سے امرِ دوم اور موصوف کا
فیصلہ ملاحظہ ہو:

"ہندوستانی وہابیت کا دُوسرا طرۂ امتیاز ایک مرحلے پر مہدوی تحریک سے
اُس کا اتفاق تھا۔ مہدی موعود کے ظہور کے عقیدے پر ہندوستانی وہابیوں نے
کثیر لٹریچر فراہم کرلیا تھا۔ اِسی کے بعد سیّد احمد نے رحلت کی۔ مہدوی تحریکات
سے یہ اتفاق و تماثل عرب میں کبھی رُونما نہ ہوا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ دونوں
تحریکوں میں ظاہری تشابہ ایک مشترک ماخذِ استفاضہ اور یکساں حالات و

---

[1] مسلم عظیم آبادی، پروفیسر: ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۵۷

کوائف کی موجودگی کا نتیجہ تھا، نہ کہ ایک دوسرے کے تتبع و تقلید کا۔"[1]

پروفیسر الحاج فیروز الدین روحی اس سلسلے میں اپنی تحقیقاتِ عالیہ یوں پیش فرماتے ہیں:

"اتفاق کی بات اُسی زمانہ میں عرب میں بھی وہاں کی مذہبی و سماجی خرابیوں کی بنا پر تجدید و اصلاحِ دین کی تحریک شروع ہوئی، جس کے قائد شیخ محمد بن عبدالوہاب تھے، ترکی کا اُس وقت عرب پر اقتدار تھا، لہٰذا ترکی کو نقصان اٹھانا پڑا، پھر اِس تحریک کو مصر کے بادشاہ محمد علی پاشا نے ہوا دی اور یہ دونوں ملک انگریز کے دوست تھے، وہاں اِس تحریک کو وہابی کے لقب سے موسوم کیا گیا۔ لہٰذا ہندوستان میں بھی سیّد احمد شہید کی تحریک کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شاخ اور تتمہ بنایا، بلکہ بعض انگریز مصنفین نے یہاں تک لکھ مارا کہ حضرت سیّد احمد شہید جب حج کو گئے تو شیخ محمد بن عبدالوہاب سے پڑھ کر آئے، حالانکہ سیّد احمد کی پیدائش ۱۷۸۶ء کی ہے اور شیخ کا انتقال ۱۷۸۷ء میں ہو جاتا ہے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ دونوں تحریکیں ایک ہی جذبہ اور ایک ہی مقصد کے لیے وجود میں آئی تھیں، اور اُس وقت کے ماحول کے اعتبار سے کم و بیش ایک ہی طریقۂ کار دونوں نے اختیار کیا۔"[2]

حیران ہوں کہ پروفیسر فیروز الدین روحی صاحب کی اِس عبارت اور اُن کی اِس ساری کتاب کو دیکھ کر کوئی موصوف کو کس مضمون کا پروفیسر تصوّر کرے گا۔ اردو، عربی، تاریخ اور اسلامیات میں کیسے کیسے گُل کھلائے ہیں۔ اُردو کی ادبی شان تو ہر جملے سے نمایاں، عربی دیکھیے تو ساری کتاب میں ایسی کوئی عربی عبارت نظر آئے گی جو صحیح نقل کر سکے ہوں، اسلامیات سے مراد صرف وہابیت کی قصیدہ خوانی ہو کر رہ گئی اور وُہ بھی ثبوت کی محتاج اور تاریخ دانی کے لیے یہی عبارت کافی رہے گی۔ مزید اور ملاحظہ فرمایئے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا سنِ وفات یہاں ۱۷۸۷ء لکھا ہے لیکن دُوسری جگہ:

[1] محمد مسلم عظیم آبادی، پروفیسر: ہندوستان میں وہابی تحریک، ص ۵۷، ۵۸

[2] فیروز الدین روحی، پروفیسر: آئینۂ صداقت، مطبوعہ کراچی، ص ۴۵، ۴۶

"شیخ نے مسلسل پچاس سال دعوت و تبلیغ کے بعد شوال یا ذیقعدہ ۱۲۰۶ھ مطابق جولائی ۱۷۹۲ء میں رحلت کی۔ شیخ نے چار لڑکے اور ہزار ہا شاگرد چھوڑے۔" [۱]

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کے سوانح نگار یعنی مرزا حیرت دہلوی نے اس سلسلے میں اپنی تحقیق کا نقارہ کچھ عجیب انداز میں بجایا ہے۔ ذرا کان لگا کر سماعت فرمائیے:

"مولوی اسمٰعیل جو ہندوستان میں فرقہ موحدیہ کا بانی ہے، کبھی کسی نجدی شیخ سے نہیں ملا اور نہ اس نے اُن کی کوئی کتاب دیکھی۔ اس نے وہی تعلیم دی جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتاتی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش سے پہلے محمدیت کی بنا اس کے خاندان میں پڑ چکی تھی اور جو کچھ اس نے اور اس کے خاندان نے حاصل کیا وُہ اپنے ہی باپ داداؤں سے۔ اسلامی دنیا میں ایک ہی خاندان ہے جسے غیر کے شاگرد بننے کا افتخار حاصل نہیں ہُوا۔ یورپینیس کا یہ لکھنا کہ محمد بن عبدالوہاب نے ہندوستان تک اپنے مذہبی اصول کے خیالات پھیلائے محض لغو اور بے سروپا بات ہے۔ جس بُرے پیرایہ میں محمدیوں کو، جنھیں سخت غلطی سے وہابی کہا ہے، انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے، سخت حقارت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود جانتی ہے کہ اُس کی سلطنت کی برکتوں کو فرقہ اہل حدیث نے کس قدر تسلیم کرلیا ہے اور اُس کے کیسے فرماں بردار، مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں۔ ان پر کیا، ہندوستان کے کُل مسلمان اپنی گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی اُن کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے جو گورنمنٹ کے خلاف سمجھی

---

[۱] فیروزالدین روحی، پروفیسر، آئینۂ صداقت، مطبوعہ کراچی، ص ۵۲

جاتی ہیں۔"[1]

موصوف کے یہاں تین دعوے مذکور ہُوئے ہیں جنھیں ہم نمبروار بیان کیے دیتے ہیں:

۱۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کوئی کتاب نہیں دیکھی تھی۔

موصوف کا یہ دعویٰ کسی سنّی یا وہابی تک کو بھی تسلیم نہیں ہو سکتا۔ باب سوم میں ہم کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کی مطابقت دکھائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔ دُوسرا دعوٰی کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا مذہب اپنے خاندان کے مطابق تھا اور اِس محمدی مذہب کی بنا پہلے ہی اِن کے خاندان میں پڑ چکی تھی۔ یہ دعوٰی سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ گزشتہ صفحات میں قدرے وضاحت کی جا چکی ہے۔

۳۔ تیسرا دعوٰی یہ ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے پیرو، جو پہلے محمّدی اور بعد میں اہلحدیث کہلائے، وہ برٹش گورنمنٹ کو بابرکت تسلیم کرتے اور اُس کے پُورے پُورے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ یہ دعوٰی اُنھوں نے جس عاجزانہ اور دلیرانہ انداز میں کیا ہے، اُن کے پیشِ نظر ہر کوئی کہہ اُٹھے گا کہ: ع

کشش لفظوں کی ایسی ہے کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں

حقیقت کچھ اِس طرح معلوم ہوتی ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے کتاب التوحید کو دیکھا یا یہ کتاب اُنھیں دکھائی گئی۔ موصوف نے دل و جان سے اِس کے مندرجات کو قبول کیا اور اِس کے خیالات و نظریات کی ڈھکے چھُپے لفظوں میں تبلیغ شروع کر دی، شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) اور شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء) تک شکایتیں پہنچیں۔ دونوں حضرات نے بالواسطہ اور بلاواسطہ سمجھایا بجھایا لیکن پرنالہ وہیں رہا۔ یہ دونوں بزرگ وفات پا گئے تو موصوف کی باگیں ڈھیلی ہو گئیں۔ خُوب کُھل کر کھیلنے لگے۔ قانونی طور پر نقضِ امن کے پیشِ نظر پابندی گوارا تو نہ الاہی انکشاف ہُوا، حکومت کی پشت پناہی صاف نظر آنے لگی۔ آخر کار دلائل کے

---

[1] حیرت دہلوی، مرزا: حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۶۶، ۲۶۷

ذریعے علمائے کرام نے محاسبہ شروع کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان
اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں اور بھتیجوں نے مولوی محمد اسمٰعیل
دہلوی اور مولوی عبد الحی دہلوی کا محاسبہ شروع کر دیا۔ ایک طرف یہ دونوں حضرات تھے
اور دوسری طرف سارے ملک کے علمائے اہلسنت اور پورا خاندان ولی اللّٰہی۔ جب
دلائل کے میدان میں ان حضرات کا بھید کھلنا شروع ہوگیا تو جو بھولے بھالے مسلمان اِن
حضرات کے دلکش الفاظ کے چکر میں پھنس گئے تھے وہ اِن سے علیحدہ ہو گئے اور جو تھوڑی
بہت جمعیت فراہم کی تھی وہ بھی منتشر ہوگئی۔

اِن حالات میں دوسرا منصوبہ تیار کیا گیا جو پہلے کی سراسر ضد ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے
سکھوں کے خلاف جہاد کا دلکش نعرہ سجھایا تو بادشاہی کا دماغوں میں سودا سما گیا اور
لبیک کہہ کر قبول کر لیا۔ اب فکر لاحق ہوئی لاؤ لشکر کی، اس کے لیے جہاد کے فضائل اور
سکھوں کے مظالم پوری دلسوزی سے بیان کیے جانے لگے، ساتھ ہی سید احمد صاحب
بریلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) کی وہ شان بیان کی جانے لگی کہ لوگوں کی عقلیں حیران
رہ جاتیں۔ جملہ اولیائے کرام سے انھیں بڑھایا گیا بلکہ صاحبِ عصمت و وحی ٹھہرا کر انبیاء کی
صف میں بٹھایا گیا۔ سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ اور باری تعالیٰ شانہٗ
سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہونا سنایا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تک صعود اور اس سے
مصافحہ ولین دین کی کہانیاں گھڑ کر سنائی گئیں، صراط المستقیم کتاب لکھ کر اس میں جملہ
فضائل و کمالات درج کر کے، متبعین کے دلوں اور دماغوں میں سید احمد صاحب کی
شانِ یکتائی کا تصور پیدا کر کے ان کا پجاری بنایا گیا۔

سید احمد صاحب نے بھی اپنے منصب کا پوری طرح لحاظ رکھا۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی
اور مولوی عبد الحی دہلوی اُن کی جو صفات بیان کرتے، جس مقام پر انھیں بٹھاتے جاتے، یہ
کمال دانشمندی سے اُس کے مطابق پیشین گوئیاں اور بشارتیں واغتے رہتے۔ مکانوں
اور سمندروں کی روحیں موصوف سے اسی لیے باتیں کرنے لگ جاتیں، جنات حاضر ہوتے،
اولیائے متقدمین تشریف لا کر نوازتے، انبیائے کرام بشارتیں سنانے آتے، مقدس

ہستیاں آکر غسل دیتیں اور کپڑے پہنانے کی خدمات انجام دے جاتیں۔ پنجاب کا بادشاہ بننے کی خوشخبری بھی سُناتے نیز افغانستان کا نفاق، چین کا کفر اور ہندوستان کا شرک اپنی زندگی میں مٹانے کی بشارت بھی بالہامِ خداوندی سُناتے اور اُس پر حلف اٹھاتے تھے۔ غرضیکہ تالیفِ قلوب اور اجتماعِ جمعیت کا وُہ کون سا خانہ ساز روحانی حربہ تھا جو کام میں لایا نہ گیا ہو۔ علمی باتوں پر ٹوکا جا سکتا ہے۔ دلیل اور ثبوت کا مطالبہ سخت دشواری میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن روحانی معاملات کا چکّر، ایک پنتھ دو کاج، جمعیت حاضر اور ثبوت خارج از بحث۔ یعنی آم کے آم گٹھلیوں کے دام، ہلدی لگی نہ پھٹکڑی، حکومت نے ولایت و نبوت چپکے سے عطا کر دی۔ بس تدریجی مراحل طے کرنے تھے اور ہر مقام کے حصول کا مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۹۰۸ء) کی طرح بتدریج اعلان کرتے جا رہے تھے لیکن منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی بالاکوٹ کا ایسا مقام آگیا کہ یہ منصوبہ وہیں دفن ہو کر رہ گیا اور مرزا غلام احمد صاحب ہی وُہ فردِ واحد نکلے جو برٹش گورنمنٹ کے اِس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے ورنہ کتنے ہی سید احمد صاحب جیسے خواہشمند حضرات منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی راہیِ ملکِ عدم ہوتے رہے۔

سیّد احمد صاحب اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے دونوں منصوبے ایک دُوسرے کے سراسر خلاف ہیں۔ پہلی تحریک جو شرک و بدعت کے خلاف بتائی جاتی ہے اُس کی وجہ یہی ظاہر کی گئی کہ مسلمان اکابر پرستی اور شرک میں گرفتار تھے۔ لیکن اِن مصلح کہلانے والوں نے دُوسری تحریک میں سید احمد صاحب کی پرستش کا وُہ اہتمام کیا جس کی نظیر اُن کے اصطلاحی مشرکوں میں بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ سیّد احمد صاحب کو صاحبِ وحی عصمت بتایا جا رہا تھا باری تعالیٰ شانہٗ تک صعود اور اُس کی ہمکلامی کے شرف سے موصوف کو مشرف بتایا جاتا تھا۔ حالانکہ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے کسی کے بارے میں ایسی باتوں کا عقیدہ رکھنا، اُسے نبی ماننے کا مترادف ہے۔ اِن حضرات کے پہلے منصوبے کی ترجمان "تقویۃ الایمان" ہے اور دُوسرے منصوبے کا صحیفہ "صراط المستقیم" کو بنایا گیا۔ یہ دونوں کتابیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھی جائیں تو صاف دکھائی دے گا کہ دونوں ایک دُوسری کے خلاف ہیں۔

دوسرا منصوبہ تو مکمل طور پر ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ میں دفن ہو گیا، کیونکہ جب نبی بننے والا ہی نہ رہا تو آگے بات کیسے چلتی۔ پہلے منصوبے کے اثرات تقویۃ الایمان کتاب کی بدولت باقی رہ گئے کہ مٹتے مٹاتے بھی موصوف اِس فتنے کی چنگاری دہلی و کلکتہ میں چھوڑ ہی گئے۔ تقویۃ الایمان کے سنِ تالیف کے بارے میں غلام رسول مہر کی تحقیق یہ ہے:

"یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ تقویۃ الایمان کس زمانے میں لکھی گئی۔ اِس میں ایک مقام پر کعبہ مقدسہ کے صحن کا منظر پیش کیا گیا ہے، جس سے دل پر اثر پڑتا ہے کہ یہ منظر چشم دید ہے، لہٰذا سمجھا جا سکتا ہے کہ کتاب سفرِ حج سے واپس آ کر لکھی گئی۔ مُلّا صاحب بغدادی نے بعض اصحاب کی انگیخت سے تقویۃ الایمان پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ شاہ شہید نے اُس کے جواب میں ایک خط کانپور سے لکھا تھا، جس پر ۱۲۴۰ھ درج ہے۔ اِس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب سفرِ حج سے مراجعت پر ۱۲۴۰ھ کے اوائل میں لکھی گئی۔ اُس زمانے میں شاہ شہید ہمہ تن دعوتِ تنظیم و جہاد کے لیے وقف ہو چکے تھے اور جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ کو وہ جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔"[1]

کیا ہی اچھا ہوتا کہ جناب غلام رسول مہر سنِ تصنیف کے بارے میں یوں تصریح کرتے کہ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو جامع مسجد دہلی میں سارے ولی اللّٰہی خاندان اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے خوشہ چین علمائے دہلی نے علمبردارانِ وہابیت و خارجیت سے جو مناظرہ و مباحثہ کیا تھا، تقویۃ الایمان اُس سب سے پہلے حنفی وہابی مناظرے سے کچھ عرصہ پہلے لکھی گئی تھی کیونکہ دورانِ مباحثہ اِس رسالے کا ذکر بھی آیا تھا۔ لیکن موصوف ایسی تصریح کرنے سے جملہ وہابی مورخین و علماء کی طرح کیوں گریز نہ کرتے جبکہ اُنھوں نے اِس خارجیت کے ڈانڈے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) نیز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ /

---

[1] غلام رسول مہر: مقدمہ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۲۱، ۲۲

۱۶۲۴ء) بلکہ حضرت امامِ ربّانی شیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ (المتوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) سے ملانے کی دھاندلی بڑے اہتمام سے مچائی ہے۔ اِس کی اشاعت کے بارے میں موصوف یُوں رقمطراز ہیں:

"تقویۃ الایمان جس کے نئے ایڈیشن کے تعارف میں یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں، پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ/ ۲۷-۱۸۲۶ء) میں چھپی تھی، جب شاہِ شہید، امیرالمومنین سید احمد بریلوی اور جماعت مجاہدین کے ہمراہ وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے جا چکے تھے اور ہندوستان کی آزادی و تطہیر کے لیے جہاد بالسیف کا آغاز ہو چکا تھا۔" [۱]

واقعی غلام رسول مہر صاحب بڑی دُور کی کوڑی لائے ہیں کیونکہ ہندوستان کی آزادی و تطہیر کے لیے اِس طرح کا جہاد بالسیف تو نظام اور مرہٹے بھی کر چکے تھے۔ جب وُہ انگریز کے دست و بازو بن کر کئی دفعہ شیرِ دکن سلطان فتح علی ٹیپو شہید پر چڑھ دوڑے تھے۔ اِس تحریکِ جہاد کی حقیقت اِسی کتاب کے تیسرے اور چوتھے باب میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی حکمتِ عملی بھی دیدنی ہے کہ جب تک دہلی میں رہے تو وہابیت کے لیے میدان ہموار کرتے رہے اور جب جہاد کے نام سے مغربی ہند کی سرحد پر پہنچ گئے اُس وقت تقویۃ الایمان کو شائع کروایا گیا، تاکہ اِس کی اشاعت سے جو آگ بھڑکتی ہے وُہ عدم موجودگی میں بھڑکے اور مصنف مواخذے سے محفوظ رہے۔ مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے تقویۃ الایمان کی تفریط کے بارے میں اپنے خیالات یُوں ظاہر کیے:

"مسلمانوں کی شدّتِ مخالفت کی بنا پر قدرتی طور پر شاہ صاحب کا جذبۂ اصلاح غلو کی شکل اختیار کر گیا۔ ایک طرف تفریط تھی تو دُوسری جانب افراط۔ شاہ اسمٰعیل صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا ..... وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

---

[۱] غلام رسول مہر، مقدمہ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۶

۱۰۲۴ء) بلکہ حضرت امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرّہٗ (المتوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)
سے ملانے کی دھاندلی بڑے اہتمام سے مچائی ہے۔ اِس کی اشاعت کے بارے میں
موصوف یُوں رقمطراز ہیں:

"تقویۃ الایمان جس کے نئے ایڈیشن کے تعارف میں یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں،
پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ/ ۲۷-۱۸۲۶ء) میں چھپی تھی، جب شاہِ شہید، امیرالمومنین
سید احمد بریلوی اور جماعت مجاہدین کے ہمراہ وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے
جا چکے تھے اور ہندوستان کی آزادی و تطہیر کے لیے جہاد بالسیف کا آغاز
ہو چکا تھا۔" [1]

واقعی غلام رسول مہر صاحب بڑی دُور کی کوڑی لائے ہیں کیونکہ ہندوستان کی آزادی
و تطہیر کے لیے اِس طرح کا جہاد بالسیف تو نظام اور مرہٹے بھی کر چکے تھے۔ جب وُہ انگریزوں
کے دست و بازو بن کر کئی دفعہ شیرِ دکن سلطان فتح علی ٹیپو شہید پر چڑھ دوڑے تھے۔ اِس
تحریکِ جہاد کی حقیقت اِسی کتاب کے تیسرے اور چوتھے باب میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے
مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی حکمتِ عملی بھی دیدنی ہے کہ جب تک دہلی میں رہے تو وہابیت
کے لیے میدان ہموار کرتے رہے اور جب جہاد کے نام سے مغربی ہند کی سرحد پر پہنچ گئے
اُس وقت تقویۃ الایمان کو شائع کروایا گیا، تاکہ اِس کی اشاعت سے جو آگ بھڑکتی ہے
وُہ عدم موجودگی میں بھڑکے اور مصنف مواخذے سے محفوظ رہے۔ مولوی عبدالشاہد خاں
شروانی نے تقویۃ الایمان کی تفریط کے بارے میں اپنے خیالات یُوں ظاہر کیے:

"مسلمانوں کی شدّتِ مخالفت کی بنا پر قدرتی طور پر شاہ صاحب کا جذبۂ اصلاح
غلو کی شکل اختیار کر گیا۔ ایک طرف تفریط تھی تو دُوسری جانب افراط۔ شاہ
اسمٰعیل صاحب نے مسلمانوں کی ہر غلط روی کو شرک سے تعبیر کرنا شروع کیا
..... وعظ و تبلیغ کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

---

[1] غلام رسول مہر، مقدمہ تقویۃ الایمان، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۱۶

پہلے عربی میں، پھر اُردو میں تقویۃ الایمان لکھی۔ اُس میں حدِّ اعتدال سے تجاوز کیا گیا۔ اِس کا خود مصنّف کو بھی احساس تھا۔“ [۱]

مولانا وکیل احمد سکندر پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی) نے مصنف تقویۃ الایمان کے بارے میں اپنے تاثرات یُوں قلمبند کیے :

”جب سے اِسلام ہندوستان میں آیا، قریب ہزار برس ہُوئے، کبھی ایسا ترکِ تقلید و جدال فی الدین کا چرچا نہ تھا۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی یہ بلا دینِ اسلام پر لائے“ [۲]

مولانا مفتی سیّد عبد الفتاح، اشرف علی گلشن آبادی نے تقویۃ الایمان کی پہلی اشاعت کے سنِ طباعت وغیرہ کے ساتھ تقویۃ پر یُوں تبصرہ کیا ہے :

”کتاب تقویۃ الایمان مؤلفہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی، شہر کلکتہ میں مطبع احمدی باہتمام سیّد عبد اللہ بن سیّد بہادر علی ۱۲۴۲ھ میں مطبوع ہوئی ہے۔ مضمونِ شرک و بدعت کے دُور کرنے کے واسطے جو آیات بُتوں کی شان میں اَور بُت پرستوں کے واسطے نازل ہُوئی ہیں، سو انبیاء و اولیاء کی شان میں لکھیں اور مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت و مقلدینِ ائمۂ اربعہ، عام و خاص سب کو مشرک و بدعتی کہہ دیا اور فاتحۂ اموات و زیارت، دہم، چہلم، نذر و نیاز کو باطل کہا اور اعتقاد میں اہلِ سنّت و جماعت کے بہت سی بدعتیں داخل کر دیں اور (ابن) عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا سارا ترجمہ شرح و بسط سے کیا۔ غیب اضافی کو غیب مطلق بنایا اور اہانت و حقارتِ انبیاء و اولیاء بدرجۂ کمال پہنچایا۔ ۱۲۵۱ھ میں شہر مدراس کے نواب والاجاہ کے حضور میں مجمعِ علماء کے درمیان مفتی صبغۃ اللہ

---

[۱] عبد الشاہد خاں شروانی، مولوی : باغی ہندوستان، ص ۱۱۴

[۲] وکیل احمد سکندر پوری، مولانا : وسیلہ جلیلہ، مطبع مصطفائی، ۱۳۰۱ء، ص ۱۰۴

"قاضی الملک اور افضل العلماء محمد ارتضا علی خاں مفتی صدر عدالت سرکار مدراس نے مولوی محمد علی رامپوری خلیفۂ سید احمد سے کتاب مذکور میں چند مقامات پر مباحثہ کیا اور معتقد مذکور کو کافر ثابت کر دیا اور اُس مباحثے کی حقیقت اور استفتاء "تحفہ محمدیہ" کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے۔"[1]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی تو سکھوں سے جہاد کرنے کا نام نہاد اعلان کرتے ہوئے ۱۲۴۱ھ میں صوبہ سرحد کی طرف چلے گئے۔ موصوف کی عدم موجودگی میں تقویۃ الایمان کا انگریز کی راجدھانی یعنی شہر کلکتہ سے ۱۲۴۲ھ میں شائع ہونا بلکہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے لاکھوں کی تعداد میں انگریزوں نے تقویۃ الایمان شائع کی اور پورے ہندوستان میں جہاں تک انگریز اُسے پہنچا سکتے تھے وہاں تک مفت پہنچاتے رہے۔ کیا یہ افسوسناک صورتِ حال اہلِ فکر و نظر کے لیے لمحۂ فکریہ نہیں ہے؟ دہلی کے ایک نیم مولوی کی تصنیف اور اُس کی نشر و اشاعت ایسٹ انڈیا کمپنی کرے، آخر کیوں؟ قاضی احسان الحق نعیمی مرحوم نے متحدہ ہندوستان میں اِس خارجیت کی تخم ریزی کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ وبا سرزمینِ نجد سے اُٹھی۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضورِ سیدِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدہا سال پہلے اِس کی خبر دی تھی۔ وُہ آگ بھڑکی، وہ فتنہ پیدا ہُوا اور عبد الوہاب نجدی کے گھر سے نکل کر عرب کے بعض مقامات میں پہنچا، وہیں سے رد کیا گیا۔ کسی سرزمین نے اِسے قبول نہ کیا۔ حجاز میں اِس کے قدم نہ جمے، عراق و یمن نے اِس کو جگہ نہ دی، کوفہ و بصرہ میں، مصر و شام میں، ترکی و ایران میں، غرض دنیا کے کسی مقام میں، کسی قلمرو اور کسی ولایت میں اِس فتنہ کو دخل نہ ہُوا اور اِس تلخ تخم کو کسی سرزمین نے قبول نہ کیا۔ نجد کے چھوٹے اور خشک اور بے رونق خطے کے چند خشک دماغ، درندہ صفت انسانوں کے دماغ میں وہابیت کا

---

[1] عبد الفتاح اشرف علی گلشن آبادی، مفتی: جامع الفتاویٰ، جلد دوم، ص ۶۱

تخیل گھومتا رہا۔ مگر افسوس کہ جو چیز دنیا کے ہر خطہ نے ٹھکرا دی تھی اُس کو ہندوستان میں جگہ ملی، اُس کا تخم دلّی میں لگایا گیا اور وُہ جب کچھ پھوٹا تو اُس کو دیوبند میں تربیت کیا گیا۔ وہاں وہ اِس قدر بڑھا کہ اُس کی شاخیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں اور اُن سے اِس ملک کی فضا مسموم ہو گئی اور اُس کے زہریلے اثر نے ملک کے بہت سے نونہالوں کو برباد کر دیا اور فساد کی آگ لگا دی۔ زمانے گزر گئے مگر یہ فتنہ دفع نہ ہُوا۔" [۱]

موافقین یا مخالفین کی آرا پیش کرنے کے بجائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ خود مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے اپنے تاثرات تقویۃ الایمان کے بارے میں پیش کر دیے جائیں۔ چنانچہ موصوف کا ایک بیان یُوں نقل کیا گیا ہے:

"میں جانتا ہُوں کہ اِس (تقویۃ الایمان) میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں، بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً اُن اُمور کو جو شرک خفی ہیں، شرک جلی لکھ دیا ہے۔ اِن وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ شورش ضرور پھیلے گی۔" [۲]

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت یعنی مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کے بارے میں یُوں وضاحت کرتے ہیں:

"مولوی اسمٰعیل شہید موحّد (وہابی غیر مقلد) تھے۔ چونکہ محقق تھے، چند مسائل میں اختلاف کیا اور مسلکِ پیرانِ خود مثل شیخ ولی اللہ وغیرہ پر انکار فرمایا۔" [۳]

---

[۱] ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد: بابت شعبان ۱۳۴۹ھ، ص ۱۴، ۱۵

[۲] عبد الشاہد خاں شروانی، مولوی: باغی ہندوستان، ص ۱۱۵

[۳] اشرف علی تھانوی، مولوی: امداد المشتاق، ص ۹۷

قارئین کرام! آپ نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا اعتراف ملاحظہ فرمایا کہ موصوف نے شرک خفی کو شرک جلی ٹھہرایا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں؟ کیا کوئی شرعی احکام کی حقیقت بدلنے کا مجاز ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے ایسا کیوں کیا تھا، اس کا صاف سیدھا جواب یہی ہے کہ موصوف نے خوارج کے مذہب کو قبول کر لیا تھا اور خارجیت کا خاصہ یہی ہے کہ خارجی ونجدی عینک لگا کر دیکھنے سے سارا جہان مشرک ہی مشرک نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی تھانوی صاحب کی تصریح بھی ملاحظہ فرمائی کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا مسلک اپنے خاندانی بزرگوں یعنی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے مسلک کے خلاف تھا، لیکن کہاں تک داد دی جائے اُن حضرات کے دین و دیانت کی، جو مصنف تقویۃ الایمان اور اُن کے تبعین کو ولی اللّٰہی مکتبۂ فکر والے بتاتے ہیں۔ چنانچہ وہابی مفکر ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات اور شاہ اسمٰعیل شہید کی منصب امامت، عبقات، تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھیے۔ دونوں جگہ وہی شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان بولتی نظر آتی ہے۔"[1]

جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب، جو کسی کے مقلد ہونے کے روادار نہیں بلکہ اپنی تحقیق کی بنیاد پر عقائد و نظریات کی عمارت تعمیر کیا کرتے ہیں۔ جو محقق، مفکرِ اسلام، نابغۂ عصر اور عبقریِ اسلام تک مشہور کیے جاتے ہیں لیکن یہاں آ کر اُن کی تحقیق و عبقریت کیوں لیلیٰ نجد کے مزار کی بھینٹ چڑھ گئی؟ کیا واقعی سید احمد صاحب کے خطوط کی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو پھنسانے کے لیے جھوٹی پیشگوئیاں سنائی تھیں؟ کیا

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودی، مولوی: تجدید احیائے دین، بار ہشتم، ص ۱۱۴

صراط المستقیم کتاب کے مندرجات کی طرح شاہ صاحب نے بھی وحی و عصمت کا دعویٰ کیا تھا، یا خدا تک صعود اور اُس سے ہمکلام ہونے، مصافحہ کرنے اور لین دین کرنے کے مدعی ہُونے تھے؟ کیا شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں شرک خفی کو شرک جلی ٹھہرا کر مسلمانوں کو مشرک بتانے کی مہم چلائی تھی؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو ہم مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ ایسے بیانات سے حقیقت ہرگز نہ بدل سکے گی۔ دنیائے دنی میں آپ حضرات پروپیگنڈے کے زور پر اگر مسلمانوں کی اکثریت سے ایسا ہی منوا بھی لیں تو حاصل کیا ہوا؟ کیا جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو کر جواب دینا پڑے گا اُس وقت یہ حربے کام آسکیں گے؟ کیا یہ دھاندلی وہاں بھی چل سکے گی؟ موصوف آگے اِن ساختہ مصلحین کے بارے ہیں یُوں رقمطراز ہیں:

"سیّد صاحب اور شاہ اسمٰعیل صاحب دونوں روحاً و معناً ایک وجود رکھتے ہیں اور اِس وجودِ متحد کو میں مستقل بالذات مجدّد نہیں سمجھتا، بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہُوں"۔[1]

سمجھنے کو مودودی صاحب جو چاہیں سمجھیں لیکن اتنی وضاحت کرنے کا حق ہمیں بھی از روئے شرع حاصل ہے کہ مسلمانوں کے دین کی تجدید کرنے والے کا گروہ اہلسنت و جماعت سے ہونا ضروری ہے کیونکہ مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِی کی مصداق یہی جماعت ہے اور اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ اِسی کے متعلق فرمایا گیا تھا اور اِس سے جُدا ہونے والوں کے حق میں فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ سنایا گیا ہے۔ دریں حالات مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی جو خارجیت کے مبلّغ اور زمرۂ اہلسنت وجماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے وہ مسلمانانِ اہلسنّت و جماعت کے مجدّد ہرگز نہیں ہو سکتے، ہاں اپنی جماعت میں وُہ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مجدّد بنائے جائیں یا نبی، مسلمانوں کا اُن کی تجدید سے کوئی علاقہ نہیں کیونکہ موصوف نے اپنے آبا و اجداد کے مذہب اور ناجی گروہ سے اپنا تعلق منقطع کر لیا تھا۔ یہ اُن کا اپنا

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا: تجدید و احیائے دین، بار ہشتم، ص ۱۱۵

فیصلہ تھا اور خود وُہ ناجی گروہ سے علیحدہ ہُوئے تھے ۔

بہر حال مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے جب اِس خارجیت یعنی محمد ابن عبد الوہاب نجدی کی وہابیت کو تقویۃ الایمان کے ذریعے اور اِس منظرِ عام پر آنے سے پہلے تقاریر میں اس کے بعض مضامین بیان کرنے شروع کیے تو علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) نے جملہ علمائے کرام کے دوش بدوش بلکہ پُوری سرگرمی سے موصوف کا محاسبہ کرنا شروع کیا، تاکہ یہ فتنہ یہیں دب جائے اور مسلمانانِ اہلسنت وجماعت اِس بلائے ناگہانی سے محفوظ رہیں۔ اِسی لیے علمی میدان میں آپ نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کا ناطقہ بند کر دیا۔ مولانا نسیم احمد امروہی اِس سلسلے میں یُوں لکھتے ہیں :

"مولانا خیر آبادی نے ایک رسالہ اِس سلسلے میں لکھا اور ایک معقولی عالم کی حیثیت سے معقول انداز میں تقویۃ الایمان کے بعض مضامین پر اعتراضات کیے۔ اُس رسالے میں نہ تو ذوقِ کفر سازی کی تسکین تھی، نہ سبّ وشتم، صرف اپنے تاثرات کو پیش کیا گیا تھا۔" [1]

کاش! موصوف نے جوشِ عقیدت میں حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ آخر بھولے بھالے مسلمانوں کو صحیح صورتِ حال سے بے خبر رکھنا بلکہ واقعات کو اُن کے برخلاف دکھانے میں دین کی کون سی خدمت اور آخرت کے مفاد کا کون سا راز مضمر ہے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے جن لفظوں میں مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں حکمِ شرع بیان فرمایا وُہ تین سوالوں کے مندرجہ ذیل جوابات سے واضح ہے :

"جواب سوالِ اوّل ایں است کہ کلامِ قائل مذکور سرتا پا کذب وزور وفریب وغرور است۔ چہ اُو نفی سبب بُودن شفاعت برائے نجاتِ گنہگاراں ونفی شفاعتِ وجاہت وشفاعتِ محبت از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحضرات سائرِ انبیاء وملائکہ واصفیا میکنند، ایں اعتقادِ اُو

---

[1] ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ : بابت رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ ، ص ۵

خلافِ کتابِ مبین واحادیث سیدالمرسلین واجماعِ مسلمین است کما اثبت فی مقام الاوّل مفصّلا وقد بان بطلان بعض کلماته فی المقام الثانی معلّلا۔

جواب سوالِ دوم این است کہ کلامِ اُو بلا تردّد واشتباہ بر استخفافِ منزلت وجاہ آں سرور، مقربان بارگاہِ حضرتِ الٰہ وانتقاص شانِ سائرِ انبیاء وملائکہ واصفیا وشیوخ واولیاء، اشتمال ودلالت دارد۔ چنانچہ در مقامِ ثالث مذکور وفیما سبق مبرہن ومسطور است۔

جواب سوالِ ثالث این است کہ قائل این کلامِ لاطائل ازروئے شرعِ مبین بلاشبہ کافر وبے دین ست، ہرگز مومن ومسلمان نیست وحُکمِ اُو شرعاً قتل وتکفیر است وہر کہ در کفرِ اُو شک آرد یا تردّد دارد یا این استخفاف راسہل انگارد، کافر وبے دین ونامسلمان ولعین است، الّا در کفر وبے دینی کمتر ہست۔ ازکسیکہ این کلام را ازعقائدِ ضروریۂ دین شمارد، آنکس در کفر با قائل ہمسر بلکہ در استخفاف ازو بالاتر است۔" ملخصاً (از تحقیق الفتوٰی فی ابطال الطغوٰی) [1]

قارئین کرام کی معلومات کے لیے یہ عرض کردینا بھی ضروری سمجھتا ہُوں کہ مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) کی جلالتِ علمی کا کچھ تذکرہ کردیا جائے۔ چنانچہ موصوف کے بارے میں سرسیّد احمد خاں صاحب لکھتے ہیں:

"مستجمع کمالاتِ صوری ومعنوی، جامع فضائل ظاہری وباطنی، بنّاءِ بناءِ فضل وافضال، بہار آرائے چمنستانِ کمال۔ متکئ اصابت رائے، مسند نشینِ دیوانِ افکار رسائے، صاحب خُلقِ محمدی، موردِ سعادت ازلی وابدی، حاکمِ محاکمِ مناظرات، فرمانروائے کشورِ محاکمات، عکسِ آئینۂ

---

[1] فضل رسول بدایونی، مولانا: سیف الجبّار، مطبوعہ کانپور، ص ۵۹، ۶۰

صافی ضمیری، ثالثِ اثنین بدیعی وحریری، المعیِ وقت و موزعیِ اوان، فرزوقِ عہد و لبیدِ دوران، مُبطلِ باطل و محققِ حق، مولانا محمد فضل حق۔ یہ حضرت خلف الرشید ہیں جناب مستطاب مولانا فضل امام غفر اللہ لہ، المنعام کے اور تحصیل علوم عقلیہ اور نقلیہ کی اپنے والدِ ماجد کی خدمت با برکت میں کی ہے۔ زبانِ قلم نے اِن کے کمالات پر نظر کر کے فخرِ خاندان لکھا اور فکرِ دقیق نے جب سرکار کو دریافت کیا، فخرِ جہاں پایا۔

جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا اِنھیں کی فکرِ عالی نے بنا ڈالی ہے۔ علمائے عصر بلکہ فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اِس گروہِ اہلِ کمال کے حضور میں بساطِ مناظرہ آراستہ کر سکیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ کو یگانۂ فن سمجھتے تھے، جب اِن کی زبان سے ایک حرف سُنا، دعوئ کمال کو فراموش کر کے نسبتِ شاگردی کو اپنا فخر سمجھتے۔ بایں ہمہ کمالاتِ علم وادب میں ایسا عَلَم سرفرازی بلند کیا کہ فصاحت کے واسطے اِن کی عبارت شُستہ محضرِ عروجِ معارج ہے اور بلاغت کے واسطے اِن کی طبعِ رسا دستاویز بلندئ معارج ہے۔ سحبان کو اِن کی فصاحت سے سرمایۂ خوش بیانی اور امراء القیس کو اِن کے افکارِ بلند سے دستگاہِ عروج۔ معانئِ الفاظ پاکیزہ اِن کے رشکِ گوہرِ خوش آب اور معانئِ رنگین اِن کے غیرتِ لعل ناب۔ سرو اِن کی سطورِ عبارت کے آگے پا بہ گِل اور گُل اِن کی عبارت رنگین کے سامنے خجل۔“ [۱]

مولانا رحمٰن علی مصنف تذکرہ علمائے ہند نے علامہ فضل حق خیرآبادی کے تذکرہ میں یہ بھی لکھا

”در علومِ منطق وحکمت وفلسفہ وادب وکلام واصول وشعر فائق الاقران و استحضارے فوق البیان داشت۔“ [۲]

---

[۱] سر سید احمد خاں: آثار الصنادید، ص ۵۶۲، ۵۶۳

[۲] رحمٰن علی، مولانا: تذکرہ علمائے ہند فارسی، ص ۱۶۴

اِس عبارت کا ترجمہ پروفیسر محمد ایّوب قادری نے یُوں کیا ہے :

"علومِ منطق، حکمت، فلسفہ، ادب، کلام، اصول اور شاعری میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز اور اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے۔"[1]

پروفیسر صاحب مذکور اِسی کے حاشیے میں علاّمہ مرحوم کے بارے میں یُوں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں :

"مولانا فضلِ حق خیر آبادی علومِ معقول کے امام تھے ...... جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا فضلِ حق نے مردانہ وار حصّہ لیا۔ دہلی میں جنرل بخت خاں کے شریک رہے۔ لکھنؤ میں حضرت محل کی کورٹ کے ممبر رہے۔ آخر میں گرفتار ہُوئے، مقدمہ چلا، بعبور دریائے شور کی سزا ہُوئی۔ جزیرہ انڈمان بھیجے گئے۔ وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء میں انتقال ہُوا۔"[2]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے چچازاد بھائی یعنی مولانا مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء) بن شاہ رفیع الدین محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء) نے مصنفِ تقویۃ الایمان کا ڈٹ کر ردّ کیا۔ جامع مسجد دہلی کے تاریخی مباحثے میں پُرزور حصّہ لیا اور وہاں بھی اسمٰعیل صاحب سے برملا کہا کہ آپ نے جو اپنے خاندانی مذہب کے خلاف یہاں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی بے دینی کو رائج کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، اس حرکتِ قبیحہ سے باز آجانا چاہیے، کیوں اپنے اکابر کے کارناموں پر پانی پھیرنے اور ننگِ خاندان بننے کی ٹھان لی ہے؟ لیکن مصنّفِ تقویۃ الایمان موقع پر اُدھر اقرار کرلیتے مگر پرنالہ اُس کی جگہ سے ذرا نہیں ہٹاتے تھے۔

چونکہ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) نے فرمایا تھا کہ میں ضعفِ بصارت سے معذور ہُوں ورنہ "کتاب التوحید" کا ردّ اُسی شرح و بسط سے

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر : تذکرہ علمائے ہند اردو، ص ۳۸۲

[2] ایضاً : ص ۳۸۳

لکھنا چاہتا ہوں جس طرح روافض کے رد میں کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" لکھی ہے۔ شاہ صاحب تو کتاب التوحید کا رد نہ لکھ سکے کیونکہ بصارت ہی جواب دے گئی تھی اور اس کے بعد پیغامِ اجل آ پہنچا تھا، لیکن سفرِ آخرت سے پہلے اتنا ضرور کر گئے کہ مصنفِ "تقویۃ الایمان" کو اپنی وراثت و خلافت سے محروم کر گئے تھے۔ آپ کی آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ "کتاب التوحید" نے "تقویۃ الایمان" کا روپ دھار لیا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کو اُن کے دوسرے بھتیجے شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین نے اس طرح پورا کیا کہ تقویۃ الایمان کے رد میں "معید الایمان" شرح و بسط سے لکھی اور تقویۃ الایمان کے مندرجات کو اسلام کے خلاف اور اپنے خاندانی معتقدات و مسلک اہلسنت وجماعت کے خلاف ایک چیلنج ثابت کیا۔ علمائے خاندانِ دہلی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وارثوں نے "معید الایمان" کی تصدیق و تائید کر کے تقویۃ الایمان کے نظریات سے اپنی برأت کا اظہار کیا تھا۔ مولانا بدرالدین احمد صاحب نے مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کی ان کاوشوں کا یوں تذکرہ کیا ہے:

"شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاگرد، مولانا شاہ مخصوص اللہ محدث دہلوی اور مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی، جو مولانا شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے اور خود مولوی اسمٰعیل دہلوی کے چچازاد بھائی تھے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور مولوی اسمٰعیل کے عقائدِ باطلہ اور اُن کی وہابیتِ فاسدہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مولوی اسمٰعیل کے رد میں فتاوی اور رسالے مرتب کیے جن میں مولوی اسمٰعیل کو ان کے عقائد باطلہ کے باعث گمراہ اور کافر قرار دیا اور حق آشکارا کرنے میں رشتۂ خاندانی کا کوئی پاس و لحاظ نہ کیا۔ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ محدث دہلوی نے خاص تقویۃ الایمان کے رد میں "معید الایمان" لکھ کر واضح کر دیا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا علمی و نسبی گھرانہ وہابیت نیز تقویۃ الایمان سے متنفر و بیزار ہے۔"[۱]

---

[۱] بدرالدین احمد، مولانا: سوانح اعلیٰحضرت، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۸، ۱۳۹

مولانا فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) نے مولانا مخصوص اللہ دہلوی بن شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا کہ اپنے چچازاد بھائی محمد اسمٰعیل دہلوی اور اُن کی تصنیف "تقویۃ الایمان" کے بارے میں کیا خیال ہے؛ یہ کتاب آپ کے خاندانی معتقدات کے مطابق ہے یا مخالف؛ اپنے سات سوالات اور مولانا مخصوص اللہ دہلوی علیہ الرحمٰن کے جواب کو موصوف نے اپنی کتاب "تحقیق الحقیقت" کے صفحہ ۲۴ پر درج کیا اور اُسے ۱۲۶۷ھ میں بمبئی سے شائع کروایا۔ مولانا مخصوص اللہ دہلوی اِس کتاب کی اشاعت کے بعد پانچ چھ سال بحیات رہے لیکن مولانا فضلِ رسول بدایونی نے اُن کے جوابات کو جن لفظوں میں شائع کیا تھا، اُن کے بارے میں مطلقاً کوئی بات ایسی منظرِ عام پر نہیں آئی کہ موصوف پر الفاظ میں کمی یا بیشی کرنے کا الزام لگایا گیا ہو۔ دریں حالات یہ جوابات شاہ مخصوص اللہ علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ ہم وُہ سوالات اور اُن کے جوابات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں؛

عریضہ

"بعد گزارش آداب تسلیمات کے عرض ہے کہ تقویۃ الایمان کے مشہور ہونے کے عرض ہے کہ تقویۃ الایمان کے مشہور ہونے کے وقت سے لوگوں میں بڑی نزاع ہے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ وُہ کتاب، خلاف ہے تمام سلف صالح اور سوادِ اعظم کے اور مخالف مصنّف کے خاندان کے اور اِس کتاب کی رُو سے اُن کے استادوں سے لے کر صحابہ تک کوئی کفر و شرک سے نہیں بچتا اور اُن کے مخالف لوگ کہتے ہیں کہ وُہ کتاب موافق سلف صالح اور اُن کے خاندان کے ہے۔ چونکہ اِس بات کو جیسا آپ جانتے ہوں گے، غالب کہ دُوسرا نہ جانتا ہوگا، اہل البیت ادری مافی البیت۔ اِس خیال سے چند باتیں معروض ہیں۔ امید کہ جواب باصواب مرحمت ہو:

پہلا سوال: تقویۃ الایمان آپ کے خاندان کے موافق ہے یا مخالف؛

دُوسرا سوال: لوگ کہتے ہیں کہ اِس میں انبیاء و اولیاء کے ساتھ بے ادبی

کی ہے۔ اِس کا کیا حال ہے؟

تیسرا سوال: شرعاً اِس کے مصنّف کا کیا حکم ہے؟

چوتھا سوال: لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں وہابی پیدا ہُوا تھا۔ اُس نے یہ نیا مذہب بنایا تھا۔ علمائے عرب نے اُس کی تکفیر کی۔ کیا تقویۃ الایمان اُس کے مطابق ہے؟

پانچواں سوال: وُہ کتاب التوحید جب ہندوستان آئی، آپ کے حضرت عمِّ بزرگوار اور حضرت والد ماجد نے اُسے دیکھ کر کیا فرمایا تھا؟

چھٹا سوال: مشہور ہے کہ جب اِس مذہب کی نئی شہرت ہُوئی تو آپ جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور مولوی رشید الدین خانصاحب وغیرہ تمام اہلِ علم آپ کے ساتھ تھے اور مجمعِ خاص و عام میں مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبد الحی کو ساکت اور عاجز کیا۔ اِس کا کیا حال ہے؟

ساتواں سوال: اُس وقت آپ کے خاندان کے شاگرد اور مرید، اُن (اسمٰعیل دہلوی) کے طور پر تھے یا آپ کے موافق؟ اُمید ہے کہ جواب اِن سب مراتب کا صاف صاف مرحمت ہو کہ سبب ہدایت ناواقفوں کا ہے۔

جواب

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کہ مَیں نے اس کا نام تفویۃ الایمان ساتھ فاء کے رکھا ہے۔ اُس کے ردّ میں جو رسالہ مَیں نے لکھا ہے اُس کا نام "مُعیدُ الایمان" رکھا ہے۔ اسمٰعیل کا رسالہ موافق ہمارے خاندان کے کیا کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی توحید کے خلاف ہے کیونکہ پیغمبر سب توحید کے سکھانے کو اور اپنے راہ پر چلانے کو بھیجے گئے تھے۔ اُس کے رسالہ (تقویۃ الایمان) میں اِس توحید کا اور پیغمبروں کی سنّت کا پتہ بھی نہیں ہے۔ اُس میں شرک اور بدعت کی افراد گِن کر جو لوگوں کو سکھاتا ہے، کسی رسول اور اُن کے خلیفہ نے کسی کا نام لے کر شرک یا بدعت لکھا ہو،

اگر کہیں ہو تو اُس کے پیروؤں سے کہو کہ ہم کو بھی دکھاؤ۔

دُوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شرک کے معنی ایسے کہتے ہیں کہ اُس کی رُو سے فرشتے اَور رسولِ خدا شرک کا حکم دینے والا ٹھہرتا ہے اور وُہ شریک کہ شرک سے راضی ہو وہ مبغوضِ خدا ہوتا ہے۔ محبوب کو مبغوض بنانا اور کہوانا ادب ہے یا بے ادبی ہے اور بدعت کے معنی وُہ بنا ئے پھیلائے ہیں کہ اصفیاء اولیا بدعتی ٹھہرتے ہیں۔ یہ ادب ہے یا بے ادبی ہے؟

تیسرے مطلب کا جواب یہ ہے کہ پہلے دونوں جوابوں سے دیندار اور سمجھنے والے کو ابھی کُھل جائے گا کہ جس رسالہ سے اَور اُس کے بنانے والے سے لوگوں میں بُرائی اور بگاڑ پھیلے اور خلاف سب انبیاء و اولیاء کے ہو، وُہ گمراہ کرنے والا ہو گا یا ہدایت کرنے والا ہو گا؟ میرے نزدیک اُس کا رسالہ عمل نامہ بُرائی اور بگاڑ کا ہے اور بنانے والا (یعنی مصنّف) فتنہ گر اَور مفسد اور خادی اور مُغوی ہے۔ سچ اور سچ یہ ہے کہ ہمارے خاندان سے دُو شخص ایسے پیدا ہُوئے کہ دونوں کو امتیاز اور فرقِ نیتوں اور حیثیتوں اَور اعتقادوں اُور اقراروں کا اور نسبتوں اور اضافتوں کا نہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی بے پروائی سے سب چِھن گیا تھا۔ مانند قول مشہور کے "چوں فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی" ...... ایسے ہی ہو گئے۔

چوتھی بات کا جواب یہ ہے کہ وہابی (محمد بن عبدالوہاب نجدی) کا رسالہ (کتاب التوحید) متن تھا، یہ شخص (اسمٰعیل دہلوی) اُس کی شرح (بنام تقویۃ الایمان) کرنے والا ہو گیا۔

پانچویں بات کا جواب یہ ہے کہ بڑے عمِ بزرگوار (یعنی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کہ وُہ بینائی سے معذور ہو گئے تھے، اُس (کتاب التوحید) کو سُنا، یہ فرمایا کہ میں اگر بیماریوں سے معذور نہ ہوتا تو "تحفۂ اثنا عشریہ" سا جواب، اِس کے ردّ میں بھی لکھتا۔ اس کریم کی بخشش سے.....

اِس بے اعتبار نے شرح (تقویۃ الایمان) کا ردّ لکھا، متن (کتاب التوحید) کا مقصد بھی نابود ہو گیا۔ ہمارے والد ماجد نے اُس (کتاب التوحید) کو دیکھا نہ تھا (کیونکہ ۱۲۳۳ھ میں وصال ہو گیا تھا) بڑے حضرت (شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ) کے فرمانے سے کُھل گیا کہ جب اُس کو گمراہ جان لیا تب اُس کا رد لکھنا فرمایا۔

چھٹی تحقیق کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تحقیق اور سچ ہے کہ میں نے مشورت کی راہ سے کہا تھا کہ تم (اسمٰعیل دہلوی) نے سب سے جدا ہو کر تحقیقِ دین میں کی ہے، وہ لکھو۔ کچھ ظاہر نہ کیا۔ ہماری طرف سے جو سوال ہوئے تھے (مباحثہ جامع مسجد دہلی میں)، اُس کے جواب میں ہاں جی، ہاں جی، کر کے مسجد سے چلے گئے۔

ساتویں بات کا جواب یہ ہے کہ اُس مجلس تک سب ہمارے طور پر تھے پھر اُن کا جھوٹ سُن کر کچے کچے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے اور ہمارے والد کے شاگردوں اور مریدوں میں سے بہت نکل رہے، شاید کوئی نادر پھرا ہو (وہابی بنا ہو) تو مجھے اُس کی خبر نہیں۔" انتہیٰ بلفظہٖ ۔ [1]

مولانا محمد مخصوص اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت کے پیشِ نظر فرمایا کہ میں تقویۃ الایمان کتاب کو تفویۃ الایمان ہی کہتا اور لکھتا ہوں لیکن قاضی فضل احمد صاحب نقشبندی لدھیانوی نے تاریخ وہابیہ دیوبندیہ، مطبوعہ کلیمی پریس کلکتہ ۱۳۴۴ھ صفحہ ۴، مرتبہ مولانا منشی محمد لعل خاں مدراسی رضوی علیہ الرحمہ سے اُن کے اُستادِ گرامی، قاضی محمود منگیری نور اللہ مرقدہٗ کا ایک بیان، بلکہ حیرت انگیز بیان یُوں نقل کیا ہے:

"مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ہاتھ کے مسودے دیکھے تو تقویۃ الایمان کی جائے تفویۃ الایمان، بجائے قاف کے ف لکھا ہوا تھا، خداوندِ عالم نے اُس کے

---

[1] فضل احمد قاضی، مولانا: انوارِ آفتابِ صداقت، ج ۱، ص ۵۲۸ تا ۵۳۰

ہاتھ سے لکھایا تھا۔ سچ ہے یہ کتاب ایمان کو فوت کرنے والی ہے۔"[۱]

مولانا مخصوص اللہ کی طرح شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) کے دُوسرے صاحبزادے یعنی شاہ محمد مُوسیٰ دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنے چچا زاد بھائی مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے ردّ میں پُوری طرح اپنا فریضہ ادا کیا۔ جامع مسجد دہلی کے تاریخی مباحثے میں دورانِ گفتگو بھی پُوری طرح حصّہ لیا اور اپنے اکابر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک کی روشنی میں مولوی عبدالحی دہلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے معتقدات کی تردید کی اور اُنھیں اپنے بزرگوں کے مسلک سے بغاوت کرنے والے ثابت کرکے دکھا دیا تھا۔ شاہ محمد مُوسیٰ نے اپنے اِس عظیم کارنامے کو کتابی شکل میں "حجۃ العمل فی ابطال الحیل" کے نام سے جمع کردیا تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے اِس کتاب کے بارے میں یُوں ذرا شرماتے ہُوئے، مصنّفِ تقویۃ الایمان کو چھپاتے ہُوئے، وضاحت فرمائی ہے:

"مولوی محمد موسیٰ کی تصنیف سے ایک قلمی فارسی کتاب "حجۃ العمل فی ابطال الجہل" ہماری نظر سے گزری ہے۔ یہ کتاب ہفتدہم ربیع الاوّل ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں اتمام کو پہنچی۔ یہ کتاب ساٹھ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے۔ کتاب کا مضمون ردِّ وہابیت ہے۔"[۲]

اسی طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے شاگردوں، بھتیجوں اور خوشہ چین علمائے کرام نے مصنّفِ تقویۃ الایمان کے ردّ میں پوری سرگرمی دکھائی۔ مولانا رشید الدین خاں اور مفتی صدر الدین آزردہ ہر طرح پیش پیش تھے، جن کا کچھ ذکر ہوچکا اور باقی تصانیف کے ضمن میں کیا جائے گا۔ مولانا ابوالکلام آزاد

۱۔ فضل احمد قاضی، مولانا: انوارِ آفتابِ صداقت، ج ۱، ص ۵۳۱

۲۔ محمد ایوب قادری، پروفیسر: تذکرہ علمائے ہند اردو، ص ۵۹۱، ۵۹۲

(المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء) کے والدِ ماجد کے نانا جان یعنی مولانا منور الدین دہلوی رحمۃ اللہ
علیہ بھی شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے شاگرد اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے ہم سبق تھے۔ انہوں
نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی، جس کے بارے میں جناب ابوالکلام
آزاد کی تصریح ملاحظہ ہو:

"اِس میں تقویۃ الایمان کے تیس مسئلے ما بہ النزاع منتخب کیے ہیں اور پھر
تیس ۳۰ بابوں میں اُن کا ردّ کیا ہے۔ ایک رسالہ اس باب میں ہے کہ مولانا
اسمٰعیل شہید کے عقائد کا ردّ خود اُن ہی کے خاندان اور اساتذہ کی کتب سے
کیا جائے۔ چنانچہ اِس میں ہر مسئلے کے ردّ میں شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ،
شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے اقوال سے اپنے نزدیک رد کیا ہے۔[۱]

کیا کسی انصاف پسند کے لیے اِس کے بعد بھی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ تقویۃ الایمان
کی تعلیمات کے ڈانڈے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۶۲
سے ملائے اور تقویۃ الایمانی دھرم والوں کو ولی اللٰہی مکتبۂ فکر کے علمبردار ٹھہرانے کی جرأت
کرے۔ مولانا منور الدین دہلوی نے مصنّفِ تقویۃ الایمان کو پہلے خوب سمجھایا بجھایا کہ دین
تفرقہ بازی اور فتنہ پردازی ایک ظلمِ عظیم ہے اِس سے اجتناب کرنا چاہیے لیکن خارجیت اُن
دِل و دماغ میں کچھ اِس طرح سما گئی تھی کہ اُن کی فہمائش کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا
مجبوراً مولانا منوّر الدین کو اُن کی تردید میں کمرِ ہمت باندھنی پڑی۔ مولانا منوّر الدین
ردِّ وہابیت میں جس طرح سرگرمی دکھائی اُس کا تذکرہ جناب ابوالکلام آزاد نے یوں کیا

"مولانا اسمٰعیل شہید مولانا منور الدین کے ہم درس تھے۔ شاہ عبدالعزیز
(رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کے بعد جب اُنھوں (مولوی اسمٰعیل) نے تقویۃ
الایمان اور جلاء العینین لکھی اور اُن کے اِس مسلک کا چرچا ہُوا تو علماء میں
ہلچل پڑ گئی۔ اِن کے ردّ میں سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منور الدین

---

[۱] ابوالکلام آزاد، مولانا: آزاد کی کہانی، ص ۵۰

نے دکھائی۔ متعدد کتابیں لکھیں اور ۱۲۴۰ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد میں کیا۔ تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا پھر حرمین سے فتویٰ منگوایا۔ اِن کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ابتداءً مولانا اسمٰعیل اور اُن کے رفیق یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب کے داماد مولانا عبدالحی کو بہت کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سمجھایا، لیکن جب ناکامی ہُوئی تو بحث و رد میں سرگرم ہُوئے اور جامع مسجد (دہلی) کا شہرۂ آفاق مناظرہ ترتیب دیا، جس میں ایک طرف مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دُوسری طرف مولانا منورالدّین اور تمام علمائے دہلی۔"[1]

یہ بیان کسی ایسے عالم کا نہیں جس کو بریلوی بتا کر اُس کی بات ناقابلِ توجہ ٹھہرا دی جائے۔ یہ وہابیوں کے امام الہند کا بیان ہے۔ کیا اِس سے صاف اور صریح طور پر واضح نہیں ہو رہا ہے کہ مصنفِ تقویۃ الایمان نے اپنے آبائی مسلک سے، مذہب اہلسنت وجماعت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ سرزمینِ پاک و ہند میں فرقہ بازی کا سنگِ بنیاد رکھا اور یہاں محمدِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی جگہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے خارجی مذہب کو رائج کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔ پسِ پشت کوئی ایسی طاقت کام کر رہی تھی جو کسی کی فہمائش کا کوئی اثر نہیں ہونے دیتی تھی۔ گھربار خلاف، سارا خاندان خلاف، متحدہ ہندوستان کے تمام علمائے کرام مخالفت پر کمربستہ، لیکن کسی کی پروا نہیں کی۔ نہ خاندان کو خاطر میں لائے، نہ اپنے بزرگوں کا کوئی پاس لحاظ کیا اور نہ علمائے کرام کے محاسبے اور اُن سے بار بار زک اٹھانے، لاجواب رہنے پر کوئی ندامت محسوس ہوتی تھی۔ بس تفریق بین المسلمین کی دُھن تھی کہ پوری تندہی سے اُس میں لگے رہے اور کسی بھی رُکاوٹ کو خاطر میں نہ لائے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ حقانیت پر تھے اور پاک و ہند کے سارے علمائے کرام سب مشرک و کافر تھے؟ کیا ولی اللّٰہی خاندان کے اکابر شرک و کفر کی تعلیم ہی دیتے رہے تھے اور یہ اُن کی اصلاح

---

[1] ابوالکلام آزاد، مولانا: آزاد کی کہانی، ص ۵۶

کرنے کو اُٹھ کھڑے ہُوئے تھے؟ آخر یہ اصلاح ہو رہی تھی یا تخریب، مسلمانوں کو ملایا جا رہا تھا
یا توڑنے اور منتشر کرنے کی سعیٔ نامحمود تھی؟ اگر جوڑنے کا پروگرام تھا، تو یہ بات ناقابلِ یقین ہے
کیونکہ اُس وقت مسلمان ٹوٹے ہُوئے اور فرقوں میں بٹے ہُوئے کب تھے کہ اُنھیں جوڑنے
کی ضرورت پڑتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض سماجی خرابیاں اُن کے مذہب و معمولات میں داخل
ہو چکی تھیں، اُن کی اصلاح مدِ نظر تھی۔ اِس سلسلے میں یہی عرض کروں گا کہ کاش! موصوف کے
ارادے یہی کچھ ہوتے تو یہ تحریک قابلِ احترام اور لائقِ ستائش قرار پاتی لیکن افسوس! نعرہ
کچھ ایسا ہی لگایا گیا مگر ساتھ ہی اسلامی عقائد و نظریات پر عملِ جراحی کی اِس طرح مشق کی گئی
کہ سچّے اور پکّے مسلمانوں کو بھی خوارج کی طرح بیک جنبشِ قلم مشرک و کافر ٹھہرا دیا۔ بعض اسلامی
عقائد کو غیر اسلامی اور کتنے ہی غیر اسلامی اور صریح کافرانہ نظریات کو اسلامی عقائد منوانے کی
مہم پُورے زور شور سے شروع کر دی گئی۔ آخر سماجی خرابیاں دُور کرنے ہی کا ارادہ تھا تو
مسلمانوں کو خارجی بنانے کی مہم چلانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟ کیا مسلمانوں کے لیے محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دین، اُن کی نجات کے لیے کافی نہیں تھا؟ کیا نجات کا ذریعہ محمد بن
عبدالوہاب نجدی کا دین ہے؟

مولوی ابوالکلام آزاد کے والدِ ماجد، مولانا خیرالدین جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی
۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) اپنے نانا، مولوی منورالدین دہلوی اور مفتی صدر الدین آزردہ (المتوفی
۱۲۵۸ھ / ۱۸۶۱ء) کے نامور شاگرد تھے۔ ردِّ وہابیت میں آپ نے بھی انتہائی سرگرمی دکھائی
کہ کسی طرح یہ فتنہ جڑ پکڑنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے اور مسلمان اپنا دین و ایمان برباد کرنے
سے محفوظ ہو سکیں۔ موصوف کے ایسے کارناموں کو اُن کے فرزند مولوی ابوالکلام نے
بادلِ ناخواستہ بیان کیا ہے:

"اُسی زمانے میں علمائے مکّہ نے والد مرحوم سے کہا کہ وہابی عقائد (وہابیان ہند)
کی کتابیں اُردو میں ہیں جنھیں وہ سمجھ نہیں سکتے نیز نجدی عقائد کا بھی ردّ کافی طور پر
نہیں ہُوا ہے۔ شیخ احمد دحلان نے اِس بارے میں خاص طور پر زور دیا اور
اِس طرح والد مرحوم نے ایک کتاب نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھی، جو

اِن کی تصانیف میں سب سے بڑی ہے۔ اُس کا نام "نجم الرجم الشیاطین" ہے۔ یہ دس جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور ہر جلد بہت ضخیم ہے۔ اِس کی ترتیب اِس طور پر ہوئی ہے کہ ایک سو چودہ مسئلے ما بہ النزاع منتخب کیے ہیں۔ اتنی تعداد جزئی جزئی اختلافات کے استقصاء کی وجہ سے ہوگئی ہے۔ ہر مسئلے کے لیے ایک باب قائم کیا ہے۔ اُس میں پہلے قرآن سے، پھر احادیث سے، پھر اقوالِ علماء سے ردّ کا التزام کیا ہے۔ اِس طرح کتاب ایک سو چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ ایک جلد صرف مقدمہ میں ہے اور چونکہ وُہ اُن مسائل کے متعلق نہیں ہے، اِس لیے معلومات کے اعتبار سے بکار آمد ہے۔ اِس میں اصولی طور پر عقائدِ اہلسنت پر بحث کی ہے اور ہر طرح کے اختلافات کو ختم کر کے اپنے مسلک کو بہت شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔"[1]

اب ہم ذیل میں چند اُن علمائے کرام کا ذکر کریں گے جنھوں نے تقویۃ الایمان کے فتنے کو دفع کرنے کی غرض سے اِس کے کُلّی یا جزئی ردّ لکھے۔ اگرچہ ایسی تصانیف کا شمار حدِ حساب سے باہر ہے لیکن ہم تیرھویں صدی میں لکھی جانے والی بعض اُن تصانیف کے نام پیش کرتے ہیں جو "گریہ کشتن روزِ اوّل" کے بطور لکھی گئی تھیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی[1]، شاہ مخصوص اللہ دہلوی[2]، شاہ محمد مُوسیٰ دہلوی[3]، مولانا منور الدین دہلوی[4] اور مولانا خیر الدین جالندھری[5] رحمۃ اللہ علیہم کا ذکر پیچھے گزر چکا۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ بعض دیگر علمائے اہلسنت اور اُن کی کاوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں و باللہ التوفیق:

۶۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے نامور شاگرد مولانا رشید الدین خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) نے مصنفِ تقویۃ الایمان کو خوب فہمائش کی۔ مباحثہ جامع مسجد دہلی میں علمائے دہلی کی سربراہی کی اور مولوی عبد الحی (المتوفی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء) سے سوالات

---

[1] ابو الکلام آزاد، مولوی: آزاد کی کہانی، ص ۹۰

کرتے رہے۔ آپ نے شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہما سے بھی تحصیلِ علم کی تھی۔ مفتی صدرالدین آزردہ کے رشتہ دار تھے۔ تعلیم و تعلّم میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور اسی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے منظورِ نظر تھے۔ روافض کا رد کرتے رہے اور آخر میں ردّ وہابیت میں سرگرمی دکھاتے رہے۔

۷۔ مفتی صدرالدین آزردہ (المتوفی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء)، شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء) اور مولانا فضل امام خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہم (المتوفی ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء) وغیرہ سے تحصیلِ علم کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں حصہ لیا اور فتویٰ جہاد کی تصدیق کی، جس کی پاداش میں منصبِ صدر الصدوری سے معزول ہوئے اور جائداد منقولہ و غیر منقولہ چھین لی گئی۔ وہابیہ کے رد میں "منتہی المقال فی شرح حدیث لاتشدو الرحال" کتاب لکھی۔ آپ کا کتب خانہ جو ۱۸۵۷ء میں حکومت نے ضبط کیا تقریباً تین لاکھ کی مالیت کا تھا۔

۸۔ مولانا فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) نے تحصیلِ علم بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی (المتوفی ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء) کے شاگردِ رشید، مولانا نورالحق فرنگی محلی (المتوفی ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) سے کی۔ مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا سخاوت علی جون پوری، مفتی اسداللہ اللہ آبادی، مولانا شاہ احمد سعید رامپوری اور مولانا عنایت رسول چریاکوٹی جیسے مشاہیر علماء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے وہابیہ کے رد میں مثالی کارنامہ انجام دیا۔ "بوارق محمدیہ" اُن کے رد میں شرح و بسط سے لکھی، جس کا ترجمہ مولانا غلام قادر بھیروی نے اردو میں "شوارق صمدیہ" کے نام سے کیا۔ یہ کتاب ۱۲۶۵ھ میں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ "احقاقِ حق" اور "تصحیح المسائل" کے ذریعے اُن کے باطل مذہب کا رد کیا۔ "سیف الجبار" بھی ۱۲۶۵ھ کی تصنیف ہے اور اس میں نجدی اور ہندی وہابیوں کے

مکائد و مظالم، اُن کی تاریخ اور کتاب التوحید و تقویۃ الایمان کے مضامین میں باہم مطابقت دکھا کر مبرہن کیا ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں مذاہب ایک ہیں۔ مولانا نے عقائدِ اہلسنّت و جماعت کو ایک عربی تصنیف "المعتقد المنتقد" میں منضبط فرمایا اور اِس کتاب کے ذریعے بھی ضمنی طور پر وہابی عقائد و نظریات کی تردید ہوتی ہے۔ یہ تصنیفِ لطیف علّامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کی مصدقہ ہے۔ یہی وہ مبارک تصنیف ہے جس پر امامِ اہلسنّت اعلیحضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے "المعتمد المستند" کے نام سے حاشیہ لکھا اور اُس میں گمراہ گروں کے پانچ سرغنوں کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا۔

۹۔ مولانا کرامت علی جون پوری (المتوفی ۱۲۹۰ھ/۴-۳-۷۳ ۱۸ء) یہ سیّد احمد بریلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے مُرید اور خلیفہ تھے لیکن مکائد ظاہر ہونے پر دوبارہ زمرۂ اہلسنّت میں واپس آگئے۔ وہابیہ کی "تقویۃ الایمان" کے ردّ میں "قوۃ الایمان" لکھی، اِس کے علاوہ اُن مبتدعین کی تردید میں اور متعدد رسائل لکھے۔

۱۰۔ مولانا سیّد جلال الدین برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء) عرف اللہ والے صاحب، یہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ تقویٰ و طہارت اور علوم حدیثیہ میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ اِنھوں نے تقویۃ الایمانی عقائد و نظریات کے ردّ میں رسالہ "صاعقہ رابیہ در ردّ عقائدِ وہابیہ" لکھا۔

۱۱۔ مولانا تراب علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء) نے "سبیل النجاح الی تحصیل الفلاح" کے نام سے تقویۃ الایمان کا ردّ لکھا ہے۔

۱۲۔ مولانا برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ ساکن دیوہ، مشہور فقیہ اور محدث ہو گزرے ہیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ کو جامع مسجد دہلی میں جو حنفی وہابی اختلاف پر سب سے پہلا اور تاریخی مناظرہ ہوا تھا۔ موصوف نے "محاکمہ" کے نام سے اُس مباحثے کی مکمّل روئیداد درج کر کے وہابیہ کے دلائل کا ردّ کیا ہے۔

۱۳۔ مولانا محمد سعید اسلمی مدراسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) نے تقویۃ الایمان

کے ردّ میں "سفینۃ النجات" نامی کتاب لکھی اور تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۱۴۔ مولانا خلیل الرحمٰن مصطفیٰ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں کتاب "رسم الخیرات" لکھی جو ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء میں بمبئی سے شائع ہوئی تھی۔

۱۵۔ مولانا محمد عبداللہ خراسانی بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء) نے مصنفِ تقویۃ الایمان کا "السیوف البارقہ علیٰ رؤس الفاسقہ" کتاب لکھ کر ردّ کیا۔ یہ کتاب مطبع قیصریہ سے ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ کے سرتاج العلماء، مفتی شافعیہ، سیّد احمد دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) سے موصوف نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی سندیں حاصل کی تھیں۔ مذکورہ کتاب "السیوف البارقہ" بھی حضرت مفتی شافعیہ کی مصدقہ ہے۔ مصنفِ تقویۃ الایمان کے بارے میں موصوف یُوں اُس میں رقمطراز ہیں:

فان قیل ان الملحد الهندی اسمٰعیل الدهلوی کان من تلامذة مولانا الشاه عبدالعزیز رحمة الله علیه فکیف یرتد عن دینه وقلت لخبث الباطن وحب الریاسة کالمرتدین الاوّلین کانوا یحضرون مع النبی صلی الله علیه وسلم فی الحج والجهاد والصوم والصلٰوة۔	اگر کوئی یہ کہے کہ ملحد ہندی اسمٰعیل دہلوی جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے تو وہ اپنے دین اسلام سے کس طرح پھر سکتے تھے؛ میں کہتا ہوں کہ سابقہ مرتدوں کی طرح باطنی خباثت اور ہوسِ ریاست کے باعث ایسا ہُوا، حالانکہ وہ لوگ بھی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج، جہاد، روزہ اور نماز میں شرکت کیا کرتے تھے۔

۱۶۔ مولانا کریم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء) شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) اور مولانا رشید الدین خاں علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) وغیرہ سے تحصیلِ علوم کی۔ سیّد آلِ احمد عرف اچھے میاں مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء) سے شرفِ ارادت اور اجازت و خلافت حاصل تھی۔ وہابیہ کے ردّ میں آپ نے "ھادی المضلین" کتاب لکھی۔

۱۷۔ مولانا سیّد عبدالفتاح المعروف بہ مفتی اشرف علی گلشن آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تحصیلِ علوم مولانا فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) اور کئی دیگر علمائے کرام سے کی۔ مصنّفِ تقویۃ الایمان کے ردّ میں اور اُن کے مکائد کا ردّ کرتے ہُوئے ایک کتاب "تحفہ محمدیہ فی ردّ وہابیہ" شرح و بسط سے لکھی۔ دُوسری "تائید الحق" جو ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں بمبئی سے شائع ہُوئی۔

۱۸۔ مولانا محمد احسن واعظ پشاوری المعروف بہ حافظ دراز رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء) ایک مشہور بزرگ اور متبحر عالم ہو گزرے ہیں۔ ساری عمر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ بخاری شریف کی "منہج الباری" کے نام سے فارسی میں شرح لکھی اور شرح قاضی مبارک پر فاضلانہ حواشی لکھے۔ انھوں نے مصنّفِ "تقویۃ الایمان" کو بارہا فہمائش کی اور علمی گفتگو کے ذریعے اُنھیں تقلید اور رفع یدین وغیرہ مسائل میں لاجواب کرتے رہے۔ جب اِن کے فاضلانہ و محققانہ دلائل کے سامنے موصوف کی کسی طرح پیش نہ گئی تو موصوف نے خارجیت کا پرنالہ وہیں رکھا لیکن رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اِن وہابیانِ ہند سے پنجاب میں جو علمائے اہلسنت نے شہرۂ آفاق مناظرہ کیا تھا اُس میں آپ بھی موجود تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی اُس مناظرے میں ہر موضوع پر ساکت و صامت ہُوئے اور خارجیت و نجدیت سے تائب ہونے کا اعلان کر دیا تھا، لیکن فوراً بعد ہی بعض وہابی علما نے کہنا شروع کر دیا کہ مصنّفِ تقویۃ الایمان نے وہابیت و خارجیت سے توبہ کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا تھا، یہ اُن پر بُہتان ہے۔ قربان جائیں اعلٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے محتاط قلم پر کہ آپ نے اِسی شہرتِ توبہ کی بنا پر مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی

۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کی تکفیر سے اجتناب کیا حالانکہ اُن کی تصانیف میں کتنی ہی عبارتیں صریح کفریہ ہیں جن کی آج تک کوئی اسلامی تاویل نہیں کی جاسکی۔ حالانکہ اِس واقعے سے چھ سال پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) نے ۱۲۴۰ھ میں "تحقیق الفتوٰی" کے اندر مصنفِ تقویۃ الایمان کی جامع مسجد دہلی میں تکفیر کی اور ولی اللّٰہی خاندان کے علماء، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے علمی فرزندوں، دیگر علمائے دہلی اور علمائے شاہجہان پور نے اُس فتوے کی تصدیق و تائید مُہری و دستخطی فرمائی تھی۔ مولانا محمد احسن پشاوری نے دیکھا کہ یہ لوگ بعینہٖ خوارج کی طرح توحید اور شرک کو آپس میں گڈمڈ کر رہے ہیں لہٰذا اِن کی تردید میں کتاب "تحقیق توحید و شرک" تصنیف فرمائی تھی۔

۱۹۔ مولانا محمد صبغۃ اللہ مدراسی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں "گلزارِ ہدایت" نامی کتاب لکھی جو مطبع کشن راج مدراس سے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

۲۰۔ مولانا محمد خلیل الرحمٰن مصطفیٰ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں "رسم الخیرات" کتاب لکھی اور اُسے ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۲ء میں بمبئی سے شائع کروایا تھا۔

۲۱۔ مولانا محمد حیدر علی لکھنوی ثم حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) نے تحصیلِ علم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور مولانا رشید الدین خاں رحمۃ اللہ علیہم سے کی۔ فنِ مناظرہ اور علمِ کلام میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ روافض سے مناظرہ کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ حیدر آباد دکن میں قاضی القضاۃ رہے۔ "ردّ تقویۃ الایمان"، کتاب بڑی کاوش و جستجو سے لکھی، جس کے آخر میں "صراط المستقیم" کتاب کے بارے میں علمائے دہلی و لکھنؤ کے فتوے بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں لکھی گئی۔

۲۲۔ مولانا سید معین الدین رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) سجادہ نشین احمد آباد نارہ نے وہابیہ کے ردّ میں "ہدایت المومنین الیٰ سلسلۃ الصالحین" کے نام سے کتاب لکھی اور اُسے مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۲۷۵ھ/۱۸۵۹ء میں شائع

کروایا گیا۔

۲۳۔ مولانا محی الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) نے علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اپنے والدِ ماجد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) سے کی اور اپنے جدِ امجد مولانا عبدالمجید بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) سے شرفِ ارادت حاصل کیا۔ مولانا فضلِ رسول بدایونی کی کتاب "احقاقِ حق" کا کسی وہابی نے "سراج الایمان" کے نام سے جواب لکھا تھا۔ آپ نے اُس "سراج الایمان" نامی کتاب کا قلم توڑ جواب "شمس الایمان" کے نام سے لکھا اور ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء میں اُردو اخبار پریس دہلی سے شائع کروایا۔

۲۴۔ مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) جو امام اہلسنت، مجددِ مائۃ حاضرہ، مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے والد ماجد ہیں، آپ نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں "تزکیۃ الایقان فی ردّ تقویۃ الایمان" کتاب لکھی۔ آپ کے زمانہ میں حنفیت کا دعویٰ کرنیوالے وہابیوں کا ظہور ہو چکا تھا، اُن کے ردّ میں متعدد کتابیں لکھ کر مذہب اہلسنت کا دفاع کیا۔ تین چیزیں آپ کی تصانیف میں بہت نمایاں ہیں: (۱) درسِ عشقِ رسول، (۲) مذہب اہلسنت وجماعت کا دفاع، (۳) بدمذہبوں کا ردّ، خصوصاً دیوبندیوں اور نیچریوں کی تخریب کاری کا سدِّ باب۔

۲۵۔ مولانا قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) اور بقول بعض ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) نے جو مدراس کے قاضی القضاۃ تھے اور صدرا اور مُلّا جلال وغیرہ کے حواشی اور شروح لکھ چکے تھے، اُنھوں نے "خطبۃ الحاقیہ" کے نام سے وہابیہ کے ردّ میں کتاب لکھی۔

۲۶۔ مولانا سید بدرالدین حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کے ردّ میں رسالہ "احقاق الحق" تصنیف کیا۔

۲۷۔ مولانا محمد عمر رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) نے وہابی عالم،

محمد رحیم بخش پنجابی کا رد کیا تھا۔ موصوف تقویۃ الایمان کے حامی تھے اور آپ نے اُن کے جُملہ مزعومہ دلائل کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے۔ اِس کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی، وکیلِ غیر مقلداں کے بارہ[۱۲] سوالات کا مسکت جواب دیتے ہوئے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام "عشرہ مبشرہ" ہے۔ یہ کتاب اُن کے تبحر علمی کی دلیل اور نہایت بلند پایہ ہے۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں ریاض ہند پریس امرت سر میں طبع ہوئی۔ اوّل الذکر کتاب کا نام "فتح الاسلام فی ردّ اضغاث الاحلام" ہے اور وہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں نامی پریس لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی۔

۲۸۔ مولانا فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) نے مصنفِ تقویۃ الایمان کے ردّ میں ایک پُر لطف کتاب "فیوضِ ارواح القدس" کے نام سے بھی لکھی تھی اور اُس میں یہ التزام کیا تھا کہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے عقائد و نظریات کو اُن کے خاندانی بزرگوں یعنی شاہ عبد الرحیم دہلوی (المتوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)، شاہ عبد القادر محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء) اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) رحمۃ اللہ علیہم کے عقائد و نظریات کے خلاف ثابت کر کے دکھایا ہے۔

۲۹۔ مولانا ہدایت اللہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کے ردّ میں "سبیل النجاح فی تحصیل الفلاح" کتاب لکھی۔

۳۰۔ مولانا قاضی محمد حسین کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کے ردّ میں "ھدایت المسلمین الیٰ طریق الحق والیقین" کے نام سے کتاب لکھی جو ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء میں بمبئی سے طبع ہوئی تھی۔

۳۱۔ مولانا شاہ عبد المجید بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) جن کو شرفِ ارادت شاہ آلِ احمد مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء) سے حاصل تھا۔ آپ کی بیعت کے واقعہ کو مولانا رحمٰن علی مرحوم نے تذکرہ علمائے ہند میں یوں بیان کیا[۱۴]۔

"علم سے فراغ حاصل کرنے کے بعد مرشد کامل کا خیال پیدا ہُوا اور ہر طرف شیخ کامل کی تلاش شروع کی۔ چونکہ بہت سے مشائخِ وقت (کامل طور سے) شریعت کا اتباع نہیں کرتے تھے اِس لیے اُس گروہ سے نفرت شروع ہو گئی۔ قسمت یاور تھی۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت ہادی المضلین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجلس میں جناب محبوب سبحانی، غوثِ صمدانی، شیخ عبد القادر جیلانی۔ مخدوم الانام، کانِ نمک گنج شکر شیخ فرید الدین نیز دُوسرے اولیاء (رحمۃ اللہ علیہم) موجود ہیں۔ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اشارہ سے جنابِ غوث الاعظم نے صاحبِ ترجمہ (مولوی عبد المجید بدایونی) کا ہاتھ، شاہ آل احمد مارہروی کے ہاتھ میں دے دیا۔ جب وُہ بیدار ہوئے تو مارہرہ کا راستہ لیا اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ زہد و تقویٰ اور اتباعِ شریعت کو کامل طور سے پایا، اُن کے مرید ہُوئے، خلافت سے سرفراز ہُوئے، اپنے مرشد سے "عین الحق" کا لقب پایا۔" [1]

آپ مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) جیسے نابغۂ عصر کے والدِ ماجد اور حضرت آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) جیسے گوہرِ یکتا کے استاد تھے۔ آپ نے مبتدعینِ زمانہ کے ردّ میں "رسالہ ردّ وہابیہ" تصنیف فرمایا تھا۔

۳۲۔ مولانا فخر الدین احمد الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء) نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی بانیِ وہابیت کی تردید میں "رسالہ ازالۃ الشکوک والاوہام بجواب تقویۃ الایمان" شرح و بسط سے لکھا۔

---

[1] محمد ایوب قادری، پروفیسر: تذکرہ علمائے ہند اردو، ص ۳۲۳

۳۳۔ مولانا سیّد حیدر شاہ حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ متوطن کچھ بھوج المعروف پیر بھرادا
مبتدعین جدید کے رد میں "ذوالفقار الحیدریہ علی اعناق الوھابیہ
کتاب لکھی۔

۳۴۔ علمائے دہلی و علمائے حرمین کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام تنبیہہ الضالین وھدایۃ
الصالحین" جس میں مولوی محمد اسمٰعیل اور مولوی محمد اسحٰق دہلوی کے نجدی عقائد
خلافِ اہلسنّت مسائل کی تردید ہے۔

۳۵۔ مولانا سیّد جلال الدین برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)۔
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے شاگرد
اِنھوں نے وہابیانِ ہند کے عقائد کی تردید میں رسالہ "صاعقہ رابیہ در ردِ عقائد
وھابیہ" لکھا، جو قلمی صورت میں موجود ہے۔

۳۶۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۸ء) ۔آپ حضرت
فضل حق خیرآبادی (المتوفی ۱۲۷۸ھ/ ۱۸۶۱ء) اور مولوی محمد اسحاق دہلوی (المتوفی
۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء) کے شاگرد تھے۔ مفتی شافعیہ و مدرس مدرسہ بیت الحرام
سیّد احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) سے تفسیر، حدیث اور
کی سند حاصل کی۔ وہابیہ کے رد میں "رسائل ردِ وہابیہ" کتاب لکھی۔

۳۷۔ علمائے بریلی نے تقویۃ الایمان کے رد میں "صحیح الایمان در ردِ تقویۃ الایمان" کے
نام سے ایک متفقہ کتاب شائع کروائی۔

۳۸۔ مدراس کے پینتیس ۳۵ علمائے اہلسنّت نے تقویۃ الایمان کے عقائد و نظریات
غیر اسلامی اور کفریہ بتایا اور ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء میں وہ مجموعہ شائع ہوا۔
علمائے کرام نے اپنے فتووں میں ادلہ ثلاثہ سے ثابت کیا ہے کہ تقویۃ الایمان
عقائد و نظریات، اسلامی عقائد کے خلاف اور اشاعتِ کفر و خارجیت ہیں۔ جو
کتاب کو اسلامی سمجھیں اور اِس کے پیش کردہ عقائد کو درست جانیں وہ اسلام
انحراف کرنے والے ہیں۔

۳۹۔ مولانا معین الحق رحمۃ اللہ علیہ پہلے وہابیوں کے فریب میں مبتلا ہو گئے تھے۔ مطلع ہونے پر تقویۃ الایمان اور صراط المستقیم کے ردّ میں رسالہ "جواہر منظومہ" لکھا، جو مطبع جعفریہ سے ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء میں طبع ہُوا۔

۴۰۔ علمائے حیدر آباد دکن نے تقویۃ الایمان کے غیر اسلامی نظریات کا ردّ کرتے ہُوئے اپنے فتووں کا ایک مجموعہ "ردّ تقویۃ الایمان" کے نام سے شائع کروایا۔

۴۱۔ مولانا سید ابو السعود مفتی مدینہ منورہ رحمۃ اللہ علیہ کی مہری دستخطی تصدیق کے ساتھ وہابیانِ ہند کے ردّ میں اور اُن کے متعلق شرعی حکم بیان کرتے ہُوئے علمائے حرمین شریفین کے فتاویٰ کا مجموعہ "فتویٰ حرمین شریفین" کے نام سے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں بمبئی سے شائع ہُوا۔ اِس میں تقویۃ الایمان اور اُس کے مصنّف کا ردّ ہے۔

۴۲۔ مولانا فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ پنجابی نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں مصنّفِ تقویۃ الایمان کے ردّ میں "طریقۃ المسلمین، مذہب سنیہ ردّ وہابیہ" بمبئی سے شائع کروایا۔

۴۳۔ مولانا جمال الدین فرنگی محلی ثم مدراسی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء) نے جدید فرقہ وہابی اور اُن کے تقویۃ الایمانی نظریات کے ردّ میں ایک کتاب "جمال الملّت والدّین" کے نام سے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں بمبئی سے شائع کروائی۔ آپ نے مُختلف درسی کتب پر حواشی لکھے اور نواب غلام غوث خاں، رئیسِ کرناٹک کے آپ استاد تھے۔ تبحرِ علمی اور سخاوت میں مشہور تھے۔

۴۴۔ مولانا احمد علی خلیفہ شیخ عبد الغفور عرف حضرت اخوند رحمۃ اللہ علیہما نے وہابیوں کے ردّ میں ایک عربی کتاب ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۵ء میں مطبع حیدری بمبئی سے بنام "برہان المومنین علیٰ عقائد المضلین" شائع کروائی۔

۴۵۔ مولانا عبد السبحان پشاوری مدراسی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان کے ردّ میں علمائے حرمین شریفین سے فتوے حاصل کیے۔ آپ نے اُن کا مجموعہ مع اردو ترجمہ مطبع ہاشمی مدراس سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں شائع کروایا۔

۴۶۔ مولانا محمد عبد السبحان احمد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) نے

وہابیوں کے ردّ میں "دلائلِ قاطعہ در تحقیق فرقہ ناجیہ"، "خیر المقالہ فی ازالۃ المجادلہ" اور "التہدید فی وجوب التقلید" وغیرہ کتب و رسائل لکھے۔

۴۷۔ علمائے قاہرہ و مصر نے ہندوستانی زندیقوں کے بارے میں حکمِ شرع بیان کرتے ہوئے فتوے جاری کیے، اُن کا مجموعہ بنام "رسالہ زندیقیہ"، بمبئی سے شائع ہوا۔

۴۸۔ مولانا محمد عمر رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) نے وہابیہ کے ردّ میں "رجوماً للشیاطین ودافع وساوس الخناس" لکھا، جو ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۴۹۔ مولانا عبدالرحمٰن سلہٹی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیوں کے ردّ میں "سیف الابرار المسلول علی الکفار" کے نام سے ایک کتاب ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع کروائی۔

۵۰۔ مولانا جلال الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مبتدعینِ ہند کے ردّ میں "شواہد الحق" کتاب لکھی اور ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں چھپی۔

۵۱۔ مولانا مخلص الرحمٰن چاٹگامی علیہ الرحمہ نے تقویۃ الایمان کے رد میں "شرح الصدور فی دفع الشرور" کتاب لکھی۔

۵۲۔ مولانا سید لطف الحق بن مولانا سید خلیل الحق قادری بٹالوی رحمۃ اللہ علیہما نے مسلمانوں کو خارجیت کے شر سے بچانے کی غرض سے "صلاح المومنین فی قطع الخارجین" کتاب لکھی، جو قلمی نسخہ کی صورت میں موجود ہے۔

۵۳۔ مولانا محمد عبداللہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلۂ شفاعت و استمداد و تصرف میں تقویۃ الایمانی نظریے کا بالغ ردّ کرتے ہوئے کتاب "تحفۃ المسلمین فی حیات سید المرسلین" لکھی۔ یہ بھی قلمی موجود ہے۔

۵۴۔ مولانا معلم ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) خطیب جامع مسجد بمبئی نے نجدی عقائد کی روک تھام کے پیشِ نظر کتاب "نعم الانتباہ لدفع الاشتباہ" لکھی۔

۵۵۔ مولانا خیر الدین مدراسی رحمۃ اللہ علیہ نے وہابیہ کی تردید میں "خیر الزاد لیوم المیعاد" نامی کتاب لکھی۔

۵۶۔ مولانا خادم احمد فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء)۔ آپ شرح وقایہ کے شارح بھی ہیں۔ انھوں نے منکرین تقلید کے رد میں "ھدایت الانام فی اثبات تقلید الائمۃ الکرام" کتاب لکھی۔

۵۷۔ مولانا سلامت اللہ بدایونی کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء)۔ آپ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) رحمۃ اللہ علیہما کے نامور شاگرد تھے۔ موصوف کو ان بزرگوں سے تفسیر و حدیث اور خاندان ولی اللّٰہی کی اکثر تصانیف کی سند و اجازت حاصل تھی۔ انھوں نے وہابیانِ ہند کے رد میں رسالہ "اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام" اور رسالہ "در تحقیق جواز مصافحہ و معانقہ عیدین" لکھا۔ آپ ایک متبحر عالمِ دین اور سیکڑوں علماء و فضلاءِ دہر کے استاد ہو گزرے ہیں۔

۵۸۔ مولانا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء)۔ آپ اہلسنّت کے مایۂ ناز عالمِ دین و بزرگ مولانا فضلِ رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) کے فرزندِ ارجمند اور امامِ معقولات و جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدِ اعظم و ناشرِ فتوئ جہاد، اسیرِ انڈمان، حضرت علّامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مایۂ ناز اور سرمایۂ روزگار شاگرد ہو گزرے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کی سرپرستی میں جب ندوۃ العلماء کی تحریک کا چکّر چلایا گیا تو آپ نے سرگرمی سے اُس کی مخالفت کی۔ وہابیہ کے ردّ میں "[1] احسن الکلام فی تحقیق عقائد الاسلام (عربی)، [2] سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام (فارسی)، [3] حقیقۃ الشفاعہ اور [4] شفاعہ السائل وغیرہ کتب و رسائل آپ کے تبحرِ علمی اور حق پسندی کے روشن دلائل ہیں۔

۵۹۔ نواب قطب الدین خاں دہلوی (المتوفی ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء)۔ آپ نے مشکوٰۃ

المصابیح کی اُردو میں "مظاہرِ حق" کے نام سے شرح لکھی۔ آپ نے غیر مقلدین کے ردّ میں "تنویر الحق"، توفیر الحق اور تحفۃ العرب والعجم" وغیرہ رسائل لکھے۔ انتقال مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ آپ غیر مقلدین کے خلاف اور مقلد وہابی تھے۔

۶۰۔ مولانا محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۴۹ء) نے عالمِ جوانی میں مدینہ منورہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں وہابیہ کے ردّ میں رسالہ "حیات النبی" عربی زبان میں لکھا تھا۔

۶۱۔ مولانا مفتی ولی اللہ فرخ آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۲ء)۔ فاضل اجل اور مفسّرِ قرآن تھے۔ وہابیہ کے ردّ میں "حزب التوسل الی جناب سید الانبیاء والرسل" کتاب لکھی۔

۶۲۔ مولانا مفتی ارشاد حسین رام پوری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء) اہلِ علم میں آپ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ سرگروہِ غیر مقلداں، میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) کی کتاب "معیار الحق" کا ایسا وسیع النظری سے فاضلانہ ردّ "انتصار الحق" کے نام سے لکھا کہ کسی غیر مقلد کو انتصار الحق کا جواب لکھنے کی آج تک جرأت نہیں ہوئی۔ اِس کتاب کے ۴۱۶ صفحات ہیں۔

۶۳۔ مولانا وکیل احمد سکندرپوری رحمۃ اللہ علیہ مشہور عالمِ دین اور صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء سے حیدر آباد دکن، سرکار آصفیہ کی ملازمت میں رہے۔ وہابیہ کے ردّ میں "ارشاد العنود الی طریق آداب عمل المولود"، نا... کتاب لکھی۔

۶۴۔ مولانا محمد شوکت علی صدیقی سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ مشہور عالم اور بزرگ ہو... ہیں۔ اِنھوں نے مولوی محمد اسحاق دہلوی کی مأتہ مسائل کے غلط دلائل و ما... راز کھولنے اور اُن کی خفیہ وہابیت کا راز افشاء کرنے کی غرض سے "افہام الم... بجواب مأتہ مسائل" لکھی اور "علم الیقین فی مسائل الاربعین" بھی آپ کی قا... تصنیف ہے۔

۶۵۔ مولانا عبدالکریم درویش رحمۃ اللہ علیہ نے شفاعت کے بارے میں تقویۃ الایمانی نظریات کے ردّ میں بنام "جواہر الایقان فی شفاعۃ رسول الانس والجان" تصنیف فرمائی۔

۶۶۔ مولانا حیدر علی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء)۔ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) سے حدیث کی سند حاصل کی۔ وہابیہ کے ردّ میں "افہام الغافل در تفہیم المسائل" کتاب لکھی۔

۶۷۔ مولانا عبدالغفور خاں نساح رحمۃ اللہ علیہ نے نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی (المتوفی ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء) وغیرہ غیر مقلدین کے ردّ میں "نصرۃ المسلمین، الرد علیٰ غیر المقلدین" کے نام سے کتاب لکھی جو ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں مطبع حامی الاسلام دہلی سے باہتمام فیض الحسن خان صاحب طبع ہوئی۔

۶۸۔ مولانا صبغۃ اللہ مدراسی رحمۃ اللہ علیہ نے منکرین حیاتِ انبیاء کے ردّ میں "تنبیہ الاغبیاء فی حیات الانبیاء" نامی کتاب لکھ کر ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء میں مدراس سے شائع کروائی۔

۶۹۔ مولانا بشیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقلد و غیر مقلد وہابیوں کی گمراہی و گمراہ گری کے بارے میں ایک فتویٰ لکھا اور تمام علمائے دہلی نے اُس کی تائید و تصدیق میں مُہر و دستخط کیے۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ ازراہِ تقیہ اور اُن دنوں اپنی جماعت کا وجود و عدم برابر دیکھتے ہُوئے غیر مقلدوں کے شیخ الکل اور سرپرست میاں نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) نے بھی اس فتویٰ کی تائید کرتے ہُوئے مہر و دستخط کیے ہُوئے ہیں۔ یہ مبارک فتویٰ مطبع سید الاخبار سے ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء میں طبع ہوا۔

۷۰۔ مولانا محمد شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے میاں نذیر حسین دہلوی کی کتاب "معیار الحق" کے ردّ میں مبسوط کتاب "مدار الحق فی ردّ معیار الحق" لکھی، جو مطبع حسنی دہلی سے ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں طبع ہُوئی۔ صفحات ۴۰۸ ہیں۔

۷۱۔ مولانا منصور علی بن مولانا محمد حسن مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہما نے غیر مقلدین کے ردّ میں "فتح المبین فی کشف مکائد غیر مقلدین" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی

اور اُس کا ضمیمہ "تنبیہ الوہابیین" کے نام سے لکھا۔ کتاب ۵۲۴ صفحات پر مشتمل ہے،
اس پر دہلی، حیدرآباد اور بریلی کے ۳۳ علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء
میں یہ کتاب مطبع دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ سے باہتمام مولانا محمد یعقوب طبع ہوئی۔

۷۲۔ مولانا محمد امیر الدین اکبر آبادی علیہ الرحمہ نے غیر مقلدین کے بہتر سوالات کے مسکت جواب "انوار محمدی" کے نام سے لکھے اور وہ کتاب مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں طبع ہوئی۔

۷۳۔ مولانا حافظ محمد یعقوب دہلوی علیہ الرحمہ نے مسئلۂ شفاعت میں وہابیہ کے نظریات کا رد کرتے ہوئے کتاب "افضل البضاعہ فی حقیقۃ الشفاعہ" لکھی۔

۷۴۔ مولانا محمد عظیم علیہ الرحمہ نے غیر مقلدین کی فہمائش کے لیے "اثبات وجوب تقلید شخصی بالقرآن والاحادیث النبوی" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو احسن المطابع پٹنہ سے ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں چھپی۔

۷۵۔ مولانا محمد عبد الرشید بن مولانا محمد عبد الحکیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے منکرین تقلید کے رد میں "القول الرشید فی اثبات التقلید" کتاب لکھی جو مطبع احمد قلندر معسکر بنگلور سے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں چھپی۔

۷۶۔ مولانا محمد مجید الدین سہارن پوری علیہ الرحمہ نے وہابیہ کے رد میں "اعانۃ المسلمین فی امور الدین" کتاب لکھی۔

۷۷۔ مولانا زین الدین حنفی مدراسی علیہ الرحمہ نے "القول المتین" کتاب لکھ کر وہابیہ کا رد کیا اور اُسے مطبع مظہر العجائب مدراس سے ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں طبع کروایا۔

۷۸۔ مولانا قادر علی قادر پوری رحمۃ اللہ علیہ نے "دلیل الیقین فی رد المنکرین" کتاب وہابیہ کے رد میں لکھی۔ یہ مطبع قادریہ کلکتہ سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں طبع ہوئی۔

۷۹۔ مولانا احمد حسن کان پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں کنایۃً اور یکروزی میں صراحۃً جو امکانِ کذب کا غیر اسلامی

خلافِ اسلام نظریہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اُس کے ردّ میں اور جملہ حمایت
کرنے والوں کی تردید کرتے ہُوئے کتاب "تنزیہ الرحمٰن عن شائبۃ الکذب والنقصان" لکھی۔
۸۰۔ مولانا عبدالسبحان ہسوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)۔ آپ حضرت
شاہ احمد سعید مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) کے خلیفہ تھے۔
منکرینِ تقلید کے ردّ میں ایک کتاب "التہدید فی وجوب التقلید" کے نام سے لکھی۔
اسی طرح دیگر کتنے ہی علمائے اہلسنّت اور عمائدِ دین وملّت نے وہابیہ کی تردید میں
مختلف کتب و رسائل لکھے اور "گربہ کشتن روزِ اوّل" پر عمل کرتے ہُوئے اِس نجدی پودے
کو پروان چڑھنے سے پہلے بیخ وبُن سے اُکھاڑ پھینکنے پر تُل گئے، تقریر و تحریر کے ہر میدان
میں اِن کا ناطقہ بند کرنا شروع کر دیا۔ خود ولی اللّٰہی خاندان کے علمائے کرام اور شاہ
عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے خوشہ چین حضرات
یعنی علمی و روحانی فرزندوں نے بڑھ چڑھ کر اِن خارجیت کے علمبرداروں کا محاسبہ کرنا
شروع کر دیا تو مصنفِ تقویۃ الایمان کا رشتہ اپنے خاندان اور دہلی مرکز سے ٹوٹ کر رہ گیا۔ متبعین
بھی ٹوٹنے شروع ہو گئے، مسلمانانِ اہلسنت وجماعت سے کٹ کر جو اپنا "محمدی گروہ"
بنانا شروع کیا تھا، بہت سے مسلمان خبردار ہونے پر اِس سے علیحدگی اختیار کرنے لگے اور
اِس طرح برٹش گورنمنٹ کا پہلا تخریبی منصوبہ ناکام ہو کر رہ گیا۔